Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities

(Bi-Annual) Trilingual: Urdu, Arabic and English

ISSN: 2707-1200 (Print) 2707-1219 (Electronic)

Home Page: http://www.arjish.com

Approved by HEC in "Y" Category

Indexed with: IRI (AIOU), Australian Islamic Library, ARI, ISI, SIS, Euro pub.

Published by the Al-Khadim Foundation which is a registered organization under the Societies Registration ACT.XXI of 1860 of Pakistan

Website: www.arjish.com

Copyright Al Khadim Foundation All Rights Reserved © 2020

This work is licensed under a

Creative Commons Attribution 4.0 International License

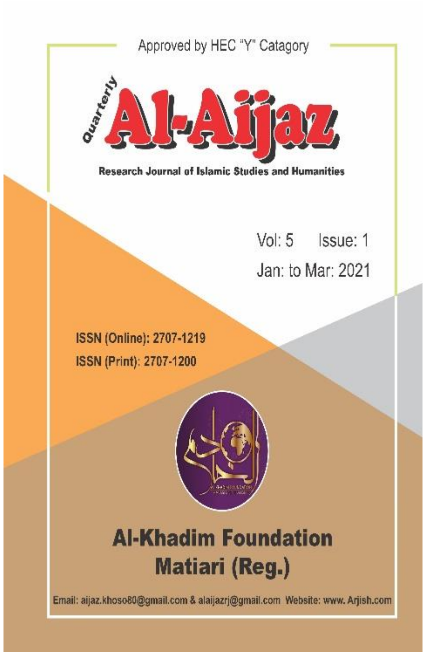

TOPIC:

A Stereoscopic Analysis of Afghanistan in Religious, Political and Historical Context: A Research Study

AUTHORS:

1. Hassan Baig, Ph.D. Scholar Islamic Studies, Department of Arabic & Islamic Studies, Government College University Faisalabad (GCUF).
Email: hassanbaig25@gcuf.edu.pk ORCID ID: https://orcid.org/0000-0002-2585-5510

2. Prof: Dr. Ghulam Shams-ur-Rehman, Chairman Department of Arabic & Islamic Studies, Government College University Faisalabad (GCUF).
Email: shams@gcuf.edu.pk ORCID ID: https://orcid.org/0000-0001-7628-1599

How to cite:

Baig, H. ., & Rehman, G. S.- ur-. (2020). U-6 A Stereoscopic Analysis of Afghanistan in Religious, Political and Historical Context: A Research Study. *Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities*, *5*(1), 69-96.
https://doi.org/10.53575/u6.v5.01(21).69-96

URL: http://www.arjish.com/index.php/arjish/article/view/232

Vol: 4, No. 1 | January to June 2020 | Page: 69-96

Published online: 2021-03-15

QR Code

افغانستان: مذہبی، سیاسی اور تاریخی تناظر میں۔۔۔ تحقیقی جائزہ

A Stereoscopic Analysis of Afghanistan in Religious, Political and Historical Context: A Research Study

Hassan Baig*
Prof: Dr. Ghulam Shams-ur-Rehman**

Abstract
This paper aims to explore the Cultural Sufism of Khorasan. The overall culture of Afghanistan is very ancient almost two millennia old. It traces it's records to times of Achaemenid Empire of 500BC. The word Afghanistan is translated as "Land of the Afghans" or "Place of Afghans". The official languages of Afghan nation are Pashto and Dari. It is a tribal and rural society with many different regions in the country and each region having distinctive indigenous language. In spite of having some differences almost all Afghans follow a same Islamic tradition and behave accordingly. By following a similar Islamic tradition, they celebrate similar holidays, wear almost same dresses, enjoy same taste of food and music. Sufism has shaped Afghan society and politics for much of the country's history. Today, very few are aware of this legacy. The Sufis are now providing an important contribution to the stability of the state. Some of the greatest Sufi sages of the Muslim world originated from Afghanistan. They refined their insights in the country's lush plains and hidden valleys - and spread their message of peace and love to other parts of the world. The intensely personal poetry of Sufis has been expressed in Dari, Persian and Pashto, the main languages spoken in Afghanistan.
Keywords: Achaemenid Empire, Land of the Afghans, Islamic traditions, Legacy, Dari, Persian, millennia, Sages, peace and love, Pashto

تعارف:

جنوبی ایشیاء کے مغربی کنارے پر واقع افغانستان ہمیشہ سے جدید اور قدیم تواریخ کے حوالے سے عالمی اور سامراجی قوتوں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔افغانستان نہ صرف سیاسی تہذیبی اور علمی طور پر بلکہ جغرافیائی طور پر بھی برصغیر پاک وہند، خلیج فارس، چین، روس اور نو مسلم ریاستوں کے درمیان ایک ایسے سنگھم پر واقع ہے۔ جس کی اہمیت سے ہر کوئی بخوبی آشنا ہے۔ بیسویں صدی کے جدید نقشہ کے مطابق افغانستان کے شمال مشرق میں چین اور پاکستان کے علاقہ جات، جنوب مشرق میں پاکستان، شمال اور شمال مغرب نو آزاد مسلم ریاستیں اور جنوب مغرب میں ایران مشرق شامل ہیں۔ اس کا کل رقبہ 6520901 کلو میٹر/251773 مربع میل ہے[1]۔ درحقیقت بیسویں صدی کی اس ریاست کا جدید نقشہ کم و بیش 2 سے 3 ہزار سال کے تاریخی ارتقاء اور نشیب و فراز کے بعد معرض وجود میں آیا ہے۔ اگرچہ تاریخ کے اس طویل سفر کو طے کرنے میں اندرونی لڑائیوں، بیرونی حملہ آوروں کی یلغار و شورش، مختلف قوموں کی طویل جنگوں اور نت نئی تہذیبوں کے خد

* Ph.D. Scholar Islamic Studies, Department of Arabic & Islamic Studies, Government College University Faisalabad (GCUF).
Email: hassanbaig25@gcuf.edu.pk ORCID ID: https://orcid.org/0000-0002-2585-5510
** Chairman Department of Arabic & Islamic Studies, Government College University Faisalabad (GCUF).
Email: shams@gcuf.edu.pk ORCID ID: https://orcid.org/0000-0001-7628-1599

و خال اور تعارف نے افغان معاشرے پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ نیز اس کی تہذیب کے ساتھ ساتھ جغرافیائی حجم کو کم کرنے اور بڑھانے میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے[2]۔

سامراجی قوتوں کا اس خطہ پر اثر انداز ہونے سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ کسی بھی سامراجی نظام میں معاشی اور سیاسی مفادات کا حصول، مبادیات میں سے تصور کیا جاتا ہے۔ یہی مادی رجحانات نہ صرف کسی بھی ریاست کے جغرافیائی حدود پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بلکہ اس کے نتیجہ میں مختلف ناموں سے نئے خطے معرض وجود میں آتے ہیں اور ان کی ہیئت بندی بھی ہوتی ہے۔ اسی تناظر میں بغور دیکھا جائے، تو معلوم ہوگا کہ انیسویں صدی کے اواخر میں مختلف عالمی قوتوں میں سے برطانوی سامراج اور روس کے درمیان پیدا ہونے والی کشمکش نے افغانستان کی تاسیس و تشکیل میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ علاوہ ازیں 1891ء میں میجر جنرل سی ایس میکلین (M.G.C.S. MacLean) نے ایران و افغانستان کے درمیان حد بندی کی۔ نیز سلطنت برطانیہ اور روس نے مشترکہ مفادات کے پیش نظر باہمی اتفاق کرتے ہوئے دریائے آمو کو اس ملک کی شمالی سرحد قرار دیا، نیز 12 نومبر 1893ء کو برطانوی بندے کے سیکرٹری خارجہ Sir Henry Mortimer Durand نے افغانستان اور برطانوی ہند سامراج کے درمیان ڈیورنڈ لائن کھینچ کر حد بندی کو قائم کر دیا[3]۔ ان نئی حد بندیوں سے افغانستان جدید اندازے کے مطابق ایک لمبی بیضوی شکل میں برآمد ہوا ہے۔ جس کی لمبائی شمال مشرق سے جنوب مغرب تک 700 میل اور چوڑائی 350 میل ہے[4]۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک کی سیاسی و تہذیبی تاریخ سے جغرافیائی خدوخال اور آبادی کے بود و باش کی متکرر کو جدا نہیں کیا جاسکتا۔

لوئس ڈپری کے بقول:

"Water is the key to the distribution, Proliferation, and perpetuation of animal and plant life, and its absence limits agricultural and pasture land. Four main rivers system exist: Amu Darya, Hari Rud, Hilmand, Arghandab, and Kabul." [5]

مزید برآں، اسی ملک کی جغرافیائی ہیئت اور خدوخال میں آبی وسائل کا کردار بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ جو اس خطہ کو نہ صرف منفرد بناتا ہے، بلکہ اس کی علاقائی سالمیت کو زیادہ سے زیادہ مستحکم کرتا ہے۔

خطہ افغانستان کے اہم بڑے دریا، ناہموار راستوں اور سنگلاخ پہاڑی علاقوں سے نکل کر ایک وسیع صورت میں پھیلتے دکھائی دیتے ہیں۔ اگر افغانستان کے دریائی نظام کو تقسیم کیا جائے، تو یہ چار حصوں میں منقسم ہو کر مختلف علاقہ جات کو سیراب کرتے جاتے ہیں۔ یعنی دریائے کابل ،ہلمند (ارغنداب)، دریائے آمو اور ہری رود[6]۔ دریائے ہلمند، ہری رود اور اس کے معاونین دریا افغانستان کے اندر ہی ایک وسیع و عریض علاقہ کو سیراب کرنے کے بعد ایک بڑے ہامون / جھیل میں گرتے ہیں اور سب سے مشہور ہامون، ہامون گودزرہ اور ہامون ہلمند پاکستان ایران سرحد کے قریب واقع ہے[7]۔ دریائے آمو، افغانستان کا سب سے بڑا اور تاریخی اہمیت کا حامل دریا ہے۔ یہ دریا وسط ایشیاء ریاست تاجکستان اور افغانستان میں 680 میل کے لگ بھگ طویل سرحد بناتا ہوا بحر ارال میں جا گرتا ہے۔ دریائے کابل دریائے سندھ کا معاون دریا ہے۔ جو کابل کے شمال میں کوہ ہندوکش میں دو ندیوں کے ملنے سے وجود میں آیا ہے اور اپنے معاونین دریائے لغمان، سرخ آب اور پنج شیر کے

ساتھ مل کر شمال اور مشرقی جانب سے خیبر کی پہاڑیوں سے گزر کر پشاور میں داخل ہوتا ہے۔ یہ دریا یہاں سے اٹک کے مقام پر دریائے سندھ کے ساتھ جا ملتا ہے، جو کافی دور تک دریائے سندھ کے نیلے اور دریائے کابل کے گدلے پانی کے ساتھ ایک خوبصورت نظارہ پیش کرتا ہے [8]۔

جس طرح اس خطہ کی جغرافیائی خد و خال میں تباین اور ساخت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بلکل ایسے ہی اس کے متعدد صوبوں کی آب و ہوا میں بے حد اختلاف و تباین پایا جاتا ہے۔ جغرافیائی تغیرات کی وجہ سے اس خطے کی آب و ہوا بھی کافی متاثر ہے، جیسے کہ مغربی خطے، مشرقی خطوں سے یکسر آب و ہوا رکھتے ہیں۔ لوئس ڈپری رقمطراز ہیں:

The diverse geographic zones of Afghanistan and discussed from the point of view of total ecology, emphasizing lines of human contact and communication in reference to zones of accessibility and relative inaccessibility." [9]

متضاد آب و ہوا نے زراعتی زندگی اور نباتاتی نشو نما پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ جس سے اس ملک کی سالانہ کاشت اور پیداوار متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی ہے۔

“The Flora is a reflection of the climatic extremes to which the country is subject. The bitterly cold and snowy winter, the damp raw spring, the excessively summer and dry autumn render Afghanistan suitable for a vegetation that mainly annual” [10]

اگرچہ سخت سردی، شدید برفیلا موسم اور سخت جان لیوا گرمی نیز موسم بہار و خزاں کے اثرانداز ہونے کے باعث یہاں کے مختلف علاقوں کی زرعی، نباتاتی اور برساتی موسم سے حاصل ہونے والی پیداوار یکسر ایک دوسرے سے مختلف ہے، مگر یہی فضا افغانستان کی سیاست، تجارت اور بیرونی رابطوں میں بھی اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ معاشی لحاظ سے بھی یہ خطہ دنیا کے غریب ترین ممالک میں شمار ہوتا ہے۔ 98 فیصد عوام کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔

مختلف خانہ جنگی اور ریشہ دوانیوں کے بعد 1978ء میں عالمی طاقت روس کی جارحیت اور پھر اس کے خلاف منظم جدوجہد، پھر نامساعد حالات اور نائین الیون (9/11) کے بعد ملک کی حالت انتہائی مخدوش و ناگفتہ ہو گئی۔ امریکی حکومت نے طالبان کی قیادت اور حکمرانی کو ختم کرنے کے لیے ہر طرح کی شدید بمباری سے اس خطہ کو کھنڈرات میں بدل کر رکھ دیا ہے۔ درحقیقت افغانستان کی جغرافیائی و تہذیبی ساخت ہی اس کی وہ اصل قوت ہے، جس نے اس ریاست کو زمانہ قدیم سے لے کر موجودہ دور تک اور مستقبل کے کئی ادوار تک جنوبی ایشیاء میں خاص مقام بخشا ہے۔ اس کے مرکز کابل سے نکلنے والے شاہراہیں، وسطی ایشیاء سے لے کر برصغیر پاک و ہند سمیت روسی ترکستان تک پہنچتا ہے۔ جہاں سے آریا، یونانی، عرب اور ترک برصغیر پاک و ہند میں داخل ہوئے۔ بلکہ فاتحین اور سیاح سکندر اعظم، چنگیز خان، مارکو پولو، ابن بطوطہ، تیمور، بابر اور احمد شاہ ابدالی اس کو اپنی گزرگاہ کے طور پر بھی استعمال کرتے رہے ہیں۔ افغانستان کی جغرافیائی حیثیت اور مرکزیت کو واضح کرتے ہوئے سلطنت مغلیہ کے بانی ظہیر الدین بابر رقمطراز ہیں:

"افغان سرزمین کے کسی بھی مرکز سے ہندوستان پر حملہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ شمالی ہند کی مستقل فتح کے لیے کابل کو ہر حال میں محفوظ رکھنا ہوگا۔ کابل ایک ایسا مقام ہے جہاں سے آپ ایک دن میں ایسے مقام پر جا سکتے ہیں۔ جہاں کبھی برف پگھلتی ہی نہیں اور دو ساعت میں ایسی جگہ پر پہنچ سکتے ہیں جہاں کبھی برف پڑتی ہی نہیں"[11]۔

در حقیقت افغانستان وسطی ایشیاء کا ایک قدیم اور تاریخی ملک ہے، جو مختلف تہذیبوں کا مرکب اور چوراہوں پر مشتمل ہے۔ آثارِ قدیمہ کے ماہرین کے مطابق یہ خطہ انسانی پیدائش اور ظہور کا اوّلین گہوارہ تھا۔ ماہر آثارِ قدیمہ لوئس ڈپری کے مطابق قدیم حجری انسان (Paleolithic) آج سے کم و بیش پچاس ہزار سال قبل شمالی افغانستان کے غاروں میں رہائش پذیر تھا[12]۔ نیز علم الانسان، علم النباتات اور علم الحیوانات کے ماہرین کے مطابق شمالی افغانستان کا شمار ان علاقہ جات میں ہوتا ہے، جہاں سب سے پہلے گھریلو نباتات اور حیوانات کا اوّلین ظہور ہوا[13]، نیز مغربی افغانستان کے علاقہ میں ہی سب سے پہلے تہذیب و تمدن کی بنیاد کو رکھا گیا(14)۔ جس کے آثارِ تہذیب اور وادی سندھ کی تہذیب میں قدرِ مماثلت پائی جاتی ہے۔ یہاں یہ بات نہایت قابل ذکر ہے کہ جب سے افغان قوم کو ایک ٹھوس مسلمہ سیادت اور وحدت تشخص اٹھارویں صدی کے کے وسط میں حاصل ہوئی، تو تبھی اس خطہ کو افغانستان کے نام سے موسوم کیا جانے لگا اور آج تک اس کا یہی ملی اور رسمی نام ہے۔ مگر یہ ملک مختلف ادوار تاریخ میں مختلف ناموں سے جانا جاتا ہے۔ دخول اسلام سے قبل یہ ملک باختریہ[15] اور آریا[16] کے نام سے جانا جاتا تھا۔ مگر ساتویں صدی کے وسط سے جب اسلام نے اس ملک کو اپنا مرکز و مسکن بنایا، تو اٹھارویں صدی عیسوی (1747ء) تک یہ ملک خراسان کے نام سے معروف رہا اور آج تک اس نام کی مقبولیت میں کوئی واقع نہیں ہوئی ہے[17]۔

افغان اور افغانستان:

بعض مؤرخین کے نزدیک لفظ افغانستان کا مصدر معلوم کرنا ایک تحقیق طلب امر ہے۔ کیونکہ ایک تو یہ جدید لفظ ہے اور دوسرا افغانوں کو خود فارسی زبان سے اس کا پتہ چلا ہے۔ افغانوں کا قومی نام پشتون ہے اور اس کی جمع پشتانہ ہے[18]۔ دوسری طرف بعض محققین کے نزدیک افغانستان کا مطلب ہے افغانوں کی سرزمین۔ لیکن تاریخ میں لفظ افغان ایک جسم اصطلاح کے طور پر بھی متعارف ہے، جس کا صحیح طور پر معنی متین نہیں کیا جا سکتا ہے۔ افغانستان کے نامور محقق و عالم دین نعمت اللہ ہروی کے مطابق لفظ افغان قرآنِ پاک میں مذکور ملک طالوت[19] کے پوتے افاغنہ سے جاملتا ہے۔ نیز ان کو اس قوم کے جد امجد بھی قرار دیتے ہیں[20]۔ مصنف تاریخ فرشتہ کے نزدیک لفظ افغان کو فغان جو اسم مبالغہ ہے، غوغہ، شور اور فریاد کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں[21]۔ تاہم اولف کیرو کے مطابق لفظ افغان کا ذکر پہلی مرتبہ تیسری صدی میلادی ساسانی کے دور میں ملتا ہے[22]۔ اگرچہ افغانوں کا قومی نام پختون یا پشتون اور جمع پشتانہ یا پختانہ ہے۔ مگر اولف کیرو کے مطابق لفظ پشتون یا پختون کا سر رشتہ و باہمی تعلق آج سے دو ہزار برس پہلے استعمال ہونے والے اصطلاح پکت یا پکھتین سے اخذ کیا جا سکتا ہے۔ جس نے مرورِ زمانہ کے بعد حالات کے تقاضوں کے پیش نظر پشتون یا پختون کی صورت کو اختیار کر لیا[23]۔ البتہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ لفظ پٹھان، جو افغانوں کے لیے ایک ہندی اصطلاح کے طور پر بولا جاتا ہے۔ سولہویں صدی عیسوی سے پہلے کسی کتاب میں نظر نہیں آتی۔ اس لیے

افغان قوم کی اصل نسل کے بارے میں مختلف روایات پائی جاتی ہیں۔ خود افغان مؤرخین کے درمیان ابتدائے نسل اور مختلف قبائل کے باہمی تعلق پر بحث زمانہ ما قبل اسلام اور نبی کریم ﷺ کی ہجرت پر پائی جاتی ہے [24]۔

نسلی پس منظر۔۔۔زمانہ قبل از اسلام:

مستشرقین سمیت افغانی مؤرخین افغان قوم کی اصل نسل کے بارے میں مختلف اقوال و روایات رکھتے ہیں۔ اسی لیے یہ محققین کسی حتمی رائے کے بارے میں فیصلہ نہیں کر سکے ہیں۔ سر اولف کیرو اسی حقیقت کو آشکار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"Some of them withdrew to the mountain of Gohr – the modern Hazarajat – and some them to the neighbourhood of Mecca in Arabia" [25].

جہاں تک زمانہ ما قبل اسلام کا تعلق ہے، تو افغانی مؤرخین میں یہ روایت بکثرت زدِ عام ہے کہ افغان قوم، بنی اسرائیل کے ان دس گم شدہ قبائل کی آل میں سے ہیں۔ جن کو بخت نصر (م۔562ء ق م) میں بیت المقدس پر حملہ کے وقت وہاں سے نکال دیا تھا۔ ان قبائل میں سے کچھ نے افغانستان میں واقع وادی غور کی پہاڑیوں میں پناہ لی، جو آج کل ہزارہ جات کہلاتے ہیں۔ کچھ عرب میں مکہ مکرمہ میں جا کر گزر بسر کرنے لگے۔ ان تذکرہ نگاروں کے نزدیک ان قبائل کے جد امجد کا نام افاغنہ تھا اور انہیں کی مناسبت سے یہ قوم افغان کے نام سے معروف ہوئی۔ درحقیقت افغانی مؤرخین کے نزدیک ان جیسی روایات اور افسانوں کا سب سے بڑا ماخذ خواجہ نعمت اللہ ہروی (م۔1067ھ/1657ء) کو قرار دیا جاتا ہے۔ آپ نہ صرف بادشاہ نور الدین جہانگیر (م۔1036ھ۔1627ء) کے درباری مصاحب و مصنف تھے، بلکہ اپنی مشہور کتاب تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی کے مؤلف بھی تھے۔ آپ نے افغانستان اور افغانوں کے نسلی پس منظر کے بارے میں سیر حاصل گفتگو کی اور اس کتاب کو 10 ذوالحجہ 1021ھ کو مغلیہ حکومت کے صدر مقام دکن بمقام برہانپور میں مکمل کیا۔ زمانہ ما قبل اسلام سے افغانوں کے متعلق آپ لکھتے ہیں:

"جب بنی اسرائیل کے بادشاہ حضرت طالوت علیہ السلام [26] نے اپنی خواہش پر بنی اسرائیل کے سردار حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنے پاس بلایا۔ تو ان کے ساتھ بڑی رواداری کے ساتھ پیش آئے اور اپنی سلطنت بھی ان کے حوالے کی۔ اس کے بعد حضرت طالوت حضرت شمائل کی نصیحت کے مطابق اپنے دس فرزندوں کے ہمراہ کفار کے خلاف جہاد پر نکلے اور حضرت داؤد علیہ السلام کو وصیت کی کہ "میرے حرم میں دو بیبیاں، جو لاوی بن یعقوب کی نسل سے ہیں۔ آپ ان کی حفاظت کرنا، اللہ انہیں اولاد نرینہ عطا کرے گا اور خداوند تعالیٰ اپنی حکمت اور قدرت کاملہ سے ان کے دو لڑکوں کی نسل سے بہت سارے صالح اور پرہیزگاروں کے علاوہ اولیاء اللہ اور اہل حقیقت کو بھی پیدا کرے گا"۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان بیبیوں کی کامل خبر گیری کی، مدت پوری ہونے پر اللہ نے ان دونوں کو دو بیٹے عطا کیے اور داؤد علیہ السلام نے طالوت کی وصیت کے مطابق ایک کا نام برخیاء اور دوسرے کا نام ارمیاء رکھا۔ دونوں کی خوب سرپرستی فرمانے کے بعد ہر ایک کو بنی اسرائیل کے ایک ایک گروہ کا سردار مقرر کیا۔ ان کی محنت و لیاقت سے بنی اسرائیل کو ہر طرح کو خوشی نصیب ہوئی۔ اللہ نے ہر ایک کو ایک لڑکا عطا کیا۔ برخیاء نے اپنے بیٹے کا نام "آصف" اور ارمیاء نے اپنے بیٹے کا نام "افاغنہ" رکھا۔ حضرت داؤد علیہ لسلام کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام نے

آصف کو وزارتی انتظام اور افاغنہ کو فوج کا سربراہ مقرر کیا۔ افاغنہ کے رعب و دبدبہ سے جن و انس بھی پناہ مانگتے تھے۔ ان کی آل و اولاد ملک شام میں آباد تھی۔ ایک عرصہ گزرنے کے بعد بخت نصر نے بیت المقدس کو فتح کر کے اور اطراف کے علاقوں کو تاخت و تاراج کر دیا۔ بے شمار مردوں خاص کر نوجوان لڑکوں کو قید و بند میں ڈال دیا۔ باقی قوم جو تورات خوان تھی، اُن کو وہاں سے نکال کر غور، غزنی، قندھار، کابل اور کوہ فیروز کے پہاڑی علاقوں کی طرف دھکیل دیا۔ اس طرح افاغنہ کی اولاد نے ایران اور افغانستان میں سکونت اختیار کر لی۔ ان کی اولاد بڑھتی گئی اور کثرت سے کافر قبیلوں کے خلاف متواتر جنگیں لڑتی رہی اور اکثر و بیشتر فتح حاصل کر کے کوہستان کا سارا علاقہ زیر نگین کر لیا۔"(27)

اسی طرح دیگر افغان مؤرخین و تذکرہ نگاروں مثلاً رسالہ انساب افاغنہ، خلاصۃ الانساب، تاریخ ابراہیم شاہی، نظام شاہی، مرآۃ الافاغنہ، نسب نامہ افاغنہ اور افغانوں کے دیگر تحریر کردہ قدیم نوشتہ جات اس قول پر متفق ہیں، کہ یہ لوگ نسل در نسل اسرائیلیت سے تعلق رکھتے تھے۔ تاہم عادات، رسم و رواج، خصلت اور مروط میں قدر تفاوت پایا جا سکتا ہے۔ مگر افاغنہ کی عادات و خصلت اور رسم و رواج بنی اسرائیل کے ساتھ قدر مماثلت رکھتے تھے(28)۔

مشہور مؤرخ ایچ۔ ڈبلیو بیلیو، افغان قوم کو نسب کے اعتبار سے بنی اسرائیل تصور کرتے ہیں اور اس خطہ کے تذکرہ نگاروں کے اسلوب نگارش کو تقویت دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"The traditions of this people refer them to Syria as the country of their residence at the time they were carried away into captivity by Bukhtunasar (Nebushadnezzar), and planted as colonists in different parts of Persia and Media. From these positions they at some subsequent period, emigrated east ward into the mountains country of Ghor, where they were called by the neighbouring peoples "Bani Afghan" and "BaniIsrail" or children of Afghan and children of Israel" (29).

مزید برآں، افغانی تذکرہ نگاروں کی ان روایات نے اگرچہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک دلچسپ افسانوی رنگ اختیار کر لیا ہو۔ جس کو آج کے سنجیدہ اور محقق قارئین محض ایک قصہ اور من گھڑت کہانیاں سمجھ کر مسترد کر دیں۔ مگر ان روایات کی اہمیت اپنی جگہ مسلمہ ہے۔ جے۔ ڈبلیو سپین بھی سامی نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انڈیا آفس لائبریری لندن میں نادر اور پرانے دستاویزات کے عمیق مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انیسویں صدی کے درجنوں انگریز سمیت دیگر مؤرخین اس بات پر کلی طور پر متفق تھے کہ افغان قوم کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے اور ان کی جسمانی ساخت، سخت رویہ، قبائل کا احترام، غیر معمولی خصوصیات اور آدم، ابراہیم، موسیٰ، داؤد، سلیمان، یعقوب اور عیسیٰ جیسے اسماء رکھنے کا رواج بھی اسی نظریہ کو ہی مستحکم کرتا ہے"(30)۔

بنا بریں، ان روایات کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ افغانیوں کے قبل از تاریخ کے اسلاف اور خاندانی شجروں میں اگرچہ کتنا ہی شک و شبہ کیوں نہ کیا جائے، مگر ان کی قبائلی تقسیم اور داخلی نظام انہی ٹھوس روایات پر مشتمل ہے(31)۔

افغانستان بعد از اسلام:

تذکرہ نگاروں اور مؤرخین کے نزدیک افغانستان کے شجرے اور نسلی سلسلے میں قیس نامی شخصیت کا ذکر خیر بڑی شد و مد کے ساتھ آتا ہے۔ جنہوں نے مخبر صادق ﷺ کے دست اقدس پر اسلام کو قبول کر کے دولت سرمدی کو حاصل کیا۔ علامہ جمال الدین افغانی اس واقعہ پر سیر حاصل تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت خالد بن ولید کا تعلق افاغنہ کے قبیلے سے تھا اور مکہ میں دعوت اسلام کی اشاعت میں سر گرم عمل تھے۔ آپ نے قیس کو بھی دعوت اسلام کی تبلیغ کی۔ قیس وادی غور کے نمائندگان کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہو کر عنایت ایزدی کے سزاوار ٹھہرے۔

"بعد ازانکہ بہ حضور رسالتماب ﷺ بہ معرفت خالد مشرف گردیدند مورد الطاف و عنایت حضرت محمد مصطفی ﷺ واقع شدند"(32)۔

قیس جو بعد میں پٹھان/پشتون کے لقب سے معروف ہوئے۔ تاریخ خانجہانی و مخزن افغانی کے مصنف آپ کے نسب کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قیس کا شجرہ نسب پینتالیس واسطوں سے افاغنہ کے ساتھ، پچاس واسطوں کے ساتھ حضرت یعقوب، پچپن واسطوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک ایک روایت کے مطابق چونتیس واسطوں سے افاغنہ تک، سینتس واسطوں سے ملک طالوت، بیالیس واسطوں سے حضرت یعقوب، پینتالیس واسطوں سے حضرت ابراہیم اور تریسٹھ واسطوں سے حضرت آدم علیہ السلام تک جاملتا ہے(33)۔

اسلام کو قبول کرنے کے بعد قیس نے لشکر اسلام میں شجاعت کے اعلیٰ جوہر دکھائے۔ نبی کریم ﷺ نے اس سارے وفد کو دعائے خیر سے نوازا اور ہر ایک کا نام دریافت کر کے قیس کا نام تبدیل کر کے عبد الرشید رکھا۔ علامہ افغانی لکھتے ہیں:

"و رئیس وفد "قیس" مذکور بہ عواطف مخصوص ذات نبوت ایاب سرفراز گردیدہ بہ لقب ملک عبد الرشید از حضور رسالت مآبی ﷺ ملقب شد"(34)۔

مزید برآں، نبی کریم ﷺ نے قیس کی نسل کی برکت کے لیے دعا فرمائی اور زبان گوہر فشان سے فرمایا کہ قیس کی نسل میں اللہ بہت زیادہ برکت اور کثرت عطا کرے گا، نیز اس کی تعداد کو دوسری قوموں پر حاوی کرے گا۔ علاوہ ازیں، دین کے ساتھ ان کا رشتہ بہت گہرا اور مستحکم ہو گا، نیز بطان(35) کے لقب سے سرفراز کیا گیا۔ اولف کیرو قیس عبرانی کی شان جلالت اور بارگاہ رسالت سے معارف خزینہ کو حاصل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"The Prophet lavished all sorts of blessings upon them; and having ascertained the name of each individual, and remarked that Qais was a Hebrew name, whereas they themselves were Arabs, he gave Qais the name of Abdurrashid and observed further to the rest that, they being the posterity of Malik Talut, it was quite proper and just that they should be called Malik likewise . . . and the Prophet predicted that God

would make the issue of Qais so numerous that they would outvie all other people, that their attachment to the Faith would in strength be like the wood upon which thay lay the keel when constructing a ship which seamen call Pahtan; on this account he conferred upon Abdurrashid the title of Pathan also"[36].

عبدالرشید آپ ﷺ سے اجازت اور دعائے کثیرہ لے کر واپس لوٹے اور سارہ دختر خالد بن ولید بن عکرمہ سے عقد کر کے واپس افغانستان (غور کی پہاڑیوں میں) تشریف لے آئے۔تاہم بعض مؤرخین کے نزدیک قیس معروف بہ عبدالرشید کا کوئی وفد مدینہ کی مقدس سرزمین پر نہیں گیا ہے اور یہ قصہ کتب تاریخ میں محض پارینہ قصہ اور من گھڑت داستان کے سوا کچھ بھی نہیں۔

ڈاکٹر عبدالغنی لکھتے ہیں:

"We have to reject the tradition of Kais having gone to Madina at the head of an Afghan deputation during the life time of the Arabian Prophet (peace be upon him), at the invitation of Hazrat Khalid Bin Walid, for in the history of the Prophet (peace be upon him), wherein all the deputations that had waited upon Him from various quarter are minutely recorded, there is no mention whatever of any Aghan deputation. Such an even of importance could not have been omitted from the traditions of the Holy Prophet (peace be upon him)" [37].

البتہ بعض محققین کے نزدیک عبدالرشید نے بڑی ہی جانفشانی سے وادی غور میں تبلیغ اسلام کا اہم محرک ثابت ہوئے۔آپ کی دعوت حق پر کثیر مخلوق نے راہ ہدایت پائی اور حلقہ اسلام میں آکر اطراف عالم میں دین کو پھیلانے کا سبب بننے لگے۔آپ کا وصال 41 ھجری میں ستاسی برس کی عمر میں ہوا[38]۔

عہد صحابہ اور اسلامی فتوحات کا آغاز:

وادی غور کے نمائندگان نے نبی کریم ﷺ کو صرف ایک پر اسرار شخصیت کے طور پر نہ سمجھا، بلکہ ایک سماجی کردار جو کہ اخلاق حسنہ کی عادات وصفات کا مرکب تھا، کہ طور پر پہچانا۔بعین تعلیمات اسلامیہ کو صرف عرب تک ہی محدود نہ جانا، بلکہ تعلیمات مصطفویہ ﷺ کو آفاقی و ابدی نجات تصور کیا۔اس لیے انھوں نے اپنے قلوب و اذہان پر اسلام کی آہٹ کو سمو لیا۔ جس سے ان کے ضمیر اور ذہن کے دریچے کھل گئے۔یہودیت، عیسائیت، زرتشت، ہندوازم اور بدھ ازم کے برعکس تعلیمات مصطفویہ ﷺ کو زندگی میں زیادہ سہل سمجھا اور اسلام کی حقانیت کو حیات انسانی کی تشکیل و ترویج کے قریب تر پایا۔اسی لیے ان کو اس نئے دین کو اپنی زندگی کے سانچوں میں ڈالنے میں کسی قسم کی دقت محسوس نہ ہوئی۔

اسلامی تہذیب و تمدن کو فروغ دینے کے لیے حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م۔23ھ/644ء) کے دور میں نہایت دانشمندانہ حکمت عملی کو ترتیب دیا گیا۔تاکہ خراسان اور اس کے اطراف کی سرحدوں پر اسلامی پرچم کا علم بلند کیا جاسکے۔ابھی اسلام ترقی کی کروٹ لے رہا تھا، کہ آپ کے عہد خلافت میں ایک عظیم لشکر نے ساسانیوں کی قدیم شہنشاہی کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک ڈالا۔ان کا آخری

بادشاہ یزد گرد (م۔32ھ/652ء) نے جلولاء اور نہاوند کی لڑائیوں میں عبرت ناک شکست سے دوچار ہونے کے بعد خراسان کے مختلف علاقوں کی طرف راہ فرار اختیار کی اور براستہ بلخ سے ہوتا ہوا ماوراء النہر پہنچا۔ مگر یہاں کے حاکم خاقان سے کوئی مدد نہ مل سکی، تو مرو کے علاقے کی طرف بھاگا اور ماہوی سوری، جو غور کا حاکم اور خراسان کا فرماں روا تصور کیا جاتا تھا، کہ ہاں جان بچانے کے لیے پناہ لی۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ (م۔23ھ/644ء) نے احنف بن قیس (م۔67ھ/688ء) کو خراسان کا جھنڈا عطا کیا[39] اور حکم فرمایا کہ یزد گرد کا تعاقب کرے۔ آپ نے بڑی سرعت سے منازل کو طے کرکے یزد گرد کا نہ صرف تعاقب کیا بلکہ بغیر کسی مزاحمت کے خراسان کو فتح کر لیا اور حاکم غور ماہوی سوری کو مرو میں شکست عظیم دے کر جیحون پار کے مضافات تک پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا[40]۔ خراسان کو فتح کرنے کے بعد ان خطوں میں فوجی کاروائیوں کا آغاز کرکے اسلامی تہذیب کو پروان چڑھایا جانے لگا۔

عہد عثمانی:

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ (م۔35ھ/656ء) کے عہد میں اسلامی فتوحات کو مزید پروان چڑھایا۔ آپ نے جنگ کی حکمت عملی کو نہایت تدبرانہ انداز میں اختیار فرماتے ہوئے خراسان میں سیدنا عبداللہ بن عامر (م۔59ھ/680ء) کو[41] اسلامی جھنڈا دیا اور کابل کی طرف روانہ کیا۔ ان دنوں کابل سجستان کا ایک اہم ضلع تھا اور مرکز میں اہم ستون تصور کیا جاتا۔ آپ نے کابل پر حملہ کیا اور شدید محاصرے جنگ کے بعد کابل کو فتح کرکے لواء (جھنڈا) اسلامی کو لہرایا[42]۔ علاوہ ازیں، لشکر اسلام کی واپسی ہوتے ہی مقامی حکمرانوں نے دوبارہ سے شورش انگیزی پھیلاتے ہوئے اپنی بالادستی کو دوبارہ سے قائم کرنا شروع کر دیا۔ حضرت عثمان غنی نے احنف بن قیس کو مرو و ہرات میں حاکم بنایا اور دشمنان اسلام کی سرکوبی کا فرمایا۔ آپ نے وہاں جوانمردی سے باغیوں کا قلع قمع کیا۔ کافی طویل جنگوں اور محاذوں کے بعد بلخ، طخارستان، سمنگان نیز شمالی علاقہ جات میں سے طوس، بلخ، مرو، جوزجان، ابیوند، فاریاب، امل، بست، طالقان سمیت سیستان کے باغیوں کو ناکوں چنے چبوا کر کابل کو مسخر کر لیا۔ دوسری طرف سیدنا ابن عامر نے ریاست کی بالادستی کو مستحکم کرنے کے لیے اسلامی فوجوں کی خطہ کے دوسرے علاقوں کی طرف پیش قدمی کو مسلسل جاری رکھتے ہوئے اہل ہرات کے سرکشوں کو بھی شکست فاش دی۔ علاوہ ازیں، خراسان سمیت بلخ اور خوارزم کو فتح کرکے ہر طرح کے مشرقین سے پاک کرنے میں کامیاب و کامران رہے[43]۔ آپ نے سجستان کے علاقے کے سرداروں سے صلح کرکے زالق، رستاق، کرکوبہ، بیسون، زرنج، نوق، ہلمند، زرشت، اور کئی علاقوں کو اسلامی سلطنت میں شامل کیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ کے عہد تک، آپ افغانستان کے طاقتور اور بااثر حکمران تھے اور اسلامی سلطنت کو ان وادیوں میں اپنی شجاعت و دلیری سے بڑھانے کا اہم سبب بنے۔

عہد مرتضوی:

اسلامی اقالیم میں خراسان اور اس کے اطراف کو فتح کرنے کا سہرا در حقیقت عہد خلفائے راشدین کے ابتدائی سرخیل فاتحین کو جاتا ہے، جنہوں نے ان ریاستوں کو اغیار کی مقبوضات سے نجات دلوا کر اسلامی حکومت کے زیر نگیں کیا، نیز تراث علمیہ اسلامیہ کو احیاء دی۔ علاوہ

ازیں، حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں سجستان اور اطراف میں باغیوں نے دوبارہ سے ادھم مچایا۔ تو آپ نے 36 ھجری میں عبدالرحمن جردالطائی[44] کو ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ باغیوں کی جانب سے یلغار اور حسکہ بن عتاب الحبطی کے ہاتھوں عبدالرحمن کو قتل کیے جانے پر حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لا قتلن من الحبطات اربعة آلاف فقيل له ان الحبطات لا تكونون خمس مائة"[45]۔

میں چار ہزار حبطیوں کو قتل کروں گا تو آپ کو بتلایا گیا کہ حبطات تو پانچ سو سے بھی زیادہ نہیں ہیں۔

ان اسلامی خطوں میں اگرچہ حالات قدرے ناسازگار تھے۔ مگر ان فاتحین نے نہایت دانشمندی اور باغیوں پر پے در پے حملے کر کے ان کی کمر توڑی۔ اپنی اعلیٰ مہارت تامہ اور زیرک حکمت عملی سے اسلامی تعلیمات کو خراسان سمیت سجستان میں نافذ کرنے میں کاوشیں سرانجام دیتے رہے۔ خراسان میں حالات کو مزید مستحکم اور بہتر کرنے کے لیے 39ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زیاد[46] کو خراسان بھیجا اور اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کے ساتھ ساتھ ہر طرح کے فتنہ کا تدارک کرنے کا بھی فرمایا۔ آپ کی وساطت سے ان علاقوں میں ہر طرح کی فتنہ انگیزی کی سرکوبی کر کے امن وسکون کی بالادستی کو قائم کیا گیا اور خلافت راشدہ کے احکامات کو نافذ العمل بنایا۔

بنابریں، خراسان کی سنگلاخ چٹانوں سے لے کر دریائے سندھ کے ساسانی خطوں کو تسخیر کرنے میں ان فاتحین کا کلیدی کردار تاریخ کے اوراق میں روز روشن کی طرح واضح ہے۔ ان کی مدبرانہ سیاست اور ان علاقوں کو فتح کرنے میں کامیاب جنگی حکمت عملی نے اسلامی نظام کی راہ کو ہموار کیا۔ ایک طرف اسلام دشمنوں کا قلع قمع کیا، تو دوسری طرف بہترین منتظمین بن کر ان وادیوں میں صدیوں تلے دبے شاہی نظام اور ادیان باطلہ کے شکنجہ سے یہاں کے باشندوں کو دائمی نجات دلوائی۔ اسلامی نظام کی جنم بھومی نے اس سرزمین سے ایسی ایسی خداداد صلاحیتوں کے درخشندہ اشخاص جنم دیا، جن کا طوطی ہفت اقالیم میں معروف ہوا۔ ان فاتحین نے اس سرزمین کی سیاسی، تہذیبی، معاشی، معاشرتی آبیاری کرنے کے ساتھ ساتھ علم کی شمع کو بھی پروان چڑھایا اور جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں علم وعرفان کی حقیقت کو آشکار کیا۔

خراسان تراث علمیہ کا مرکز:

خراسان میں مسلم حکمرانوں کی دوراندیش فکر اور مثبت پالیسی سے جہاں سیاسی وتہذیبی ترقی ہوئی۔ وہیں اسلامی علم وفنون کو خاطر خواہ پروان چڑھانے کے مواقع بھی میسر آئے۔ اسلامی تہذیب وتمدن کے فروغ اور ارتقائی عمل نے یہاں کے لوگوں کے قلوب واذہان سے زرتشت، بدھ مت سمیت تمام ادیان قدیمہ وباطلہ کے نقوش کو پاش پاش کر دیا۔ اسلام کی آمد کے ساتھ ہی متفرق عرب قبائل نے یہاں سکونت اختیار کی۔ تغیر زمانہ کے ساتھ ساتھ عرب قومیت وتمدن نے افغان طرز بود وباش پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ افغان معاشرہ اس تمدن کے ساتھ آشنا اور آہستہ آہستہ ہم آہنگ بھی ہوتا چلا گیا۔ عرب حکمرانوں اور عرب قبائل سے عربی زبان اس معاشرے میں رچ بس سی گئی۔ افغان معاشرے نے اہل عرب کے توسط سے بڑے بڑے علمائے ربانیین اور مشائخ عظام کو جنم دیا۔ اگرچہ یہ برگزیدہ شخصیات فارسی الاصل، خلجی النسل، ازبک، تاجک اور پختون النسل ہونے کے باوجود اپنی مادری اور فارسی زبانوں کے ساتھ ساتھ عربی زبان وادب میں ایسی شہرہ آفاق،

لازوال اور گرانقدر تصانیف مرتب کیں، جنہوں نے نہ صرف عرب و عجم بلکہ علمی مراکز میں دورس اثرات مرتب کیے۔ جیسے خراسان کے مشہور عالم دین اور قریباً 170 کتب کے مصنف قاسم بن سلام ہروی (م۔224ھ/838ء) نے علم الحدیث، فقہ، جرح و تعدیل اور علم القرآن کے ماہر تھے۔ آپ نے "غریب الحدیث" اور اقتصادیات پر "کتاب الاموال" جیسی رفیع القدر کتب کو لکھا[47]۔ نیز ہرات کے ہی ابو عبیدہ قاسانی (م۔401ھ/1011ء) نے قرآن و حدیث غیر مانوس الفاظ کی وضاحت پر کتب کو بذریعہ قلم، صفحہ قرطاس کی زینت بنایا [48] اور مشہور محدث وامام اسحاق بن راہویہ (م۔238ھ/852ء)، جن کا شمار امام مسلم بن حجاج (م۔261ھ/875ء) کے شیوخ میں سے ہوتا ہے۔ نیز آپ قرآن کریم کے مفسر اور المسند فی الحدیث کے مصنف تھے[49]۔

مزید برآں، اسی خطہ سے ایسے ایسے سائنس دانوں، مفسرین و محدثین سمیت فقہاء نے بھی جنم لیا۔ جن کی تصنیفات سے دانشور و علم دوست حضرات متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ یہ روشن ستارے علم کی دنیا میں درخشندہ آفتاب کی طرح ابھرے اور افق کی بلندیوں پر پہنچ کر فیض رسانی کا موجب بنے۔ جیسا کہ احادیث مبارکہ کی چھ مستند اور اہم کتابوں کے مؤلفین کا تعلق بھی خراسان کی وادیوں سے ہی ہے۔ علاوہ ازیں، تفسیر القرآن، شروح حدیث میں جن نامور زعماء وعلمائے دین نے قابل قدر خدمات سرانجام دیں ان کے اسماء اور چیدہ خصائص درج ذیل ہیں:

1. مذاہب السنن فی الفقہ از ابراہیم بن طہمان الہروی (م۔163ھ/780ء)
2. کتاب التفسیر[50] از محمد سفریانی (م۔212ھ/827ء)
3. معالم السنن فی شرح کتاب السنن ابوداؤد از ابوسلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب البستی (م۔388ھ/998ء)

اور اسی طرح جن جن محدثین نے تفسیر و حدیث میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ ان میں

حماد بن زید سجستانی (م۔179ھ/795ء)

عبداللہ بن عمان المروزی (م۔221ھ/836ء)

ابراہیم بن یعقوب جوزجانی (م۔259ھ 873ء)

احمد بن علی المروزی (م۔291ھ/904ء) اور

عمر بن احمد المروزی (م۔354ھ/965ء)

قابل ذکر ہیں[51]۔ علم القرآن، تفسیر اور حدیث میں زریں خدمات سرانجام دینے کے علاوہ فقہ کے میدان میں بھی اس ولایت کے بلند پایا علمی شخصیات نے اپنے فن کا لوہا منوایا۔ تحقیقی اور فقہی کتب لکھ کر خراسان کی علمی آبیاری و نشو نما میں اپنا مرکزی کردار ادا کیا۔ اسلامی تہذیب و تمدن کو سماج میں پروان چڑھانے والوں میں مکحول بن ابی مسلم (م۔112ھ/730ء)، عبداللہ بن مبارک المروزی اور حکم بن عبداللہ بلخی (م۔199ھ/815ء) زیادہ معروف ہوئے۔ یہاں یہ بات انتہائی دلچسپ ہے کہ آپ ہی نے حضرت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ (م۔150ھ/766ء) سے فقہ الاکبر کو روایت کیا اور بڑی ہی جانفشانی کے ساتھ فقہ حنفی کو افغانستان سمیت وسطی ایشیاء کی دیگر

ریاستوں میں پھیلانے کا ذریعہ ثابت ہوئے (52)۔ علاوہ ازیں، کسی بھی اسلامی تہذیب و تمدن میں فقہ و حدیث کو ایک خاص امتیازی درجہ حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ کسی بھی اسلامی معاشرے میں ایک عالم سے لے کر عام مسلمان تک قرآن کے علوم و معارف کو سمجھنے کے لیے حدیث اور فقہ کا سہارا لیتے ہیں۔ تاکہ علوم شریعہ نظری ہو جائیں اور حقوق اللہ و حقوق العباد کی تکمیل کرنے میں کسی قسم کی بھی دقت نہ لاحق ہو سکے۔ خراسان کے علماء و محدثین کو یہ طرہ امتیاز حاصل رہا کہ قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے فقہ کے علم کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے میں مصروف عمل رہے۔ اس لیے تاریخ کے اوراق کو پلٹ کر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، کہ نہ صرف وادی غور اور بلخ میں دینی خدمات کا بازار سر گرم عمل تھا بلکہ مرو، کابل، جوزجان، بست، لغمان، طالقان، غزنی، خراسان کے اطراف اور ترمذ و نیشاپور کے مضافات میں بھی ان جید علمائے دین اور نامور فقہائے عظام نے علم دین کو متاع زیست عطا کی۔ ہزاروں وارثان اسلام نے دینی خدمات سرانجام دے کر افغانستان کو علم و آشتی کا گہوارہ بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور فقہ اسلامی کو فروغ دینے میں اپنے شب و روز صرف کر کے کارہائے نمایاں سرانجام دیے (53)۔

تصوفانہ خدمات کا مرجع:

اسلامی معاشرے میں "احسان" تہذیب و تمدن کو ترقی دینے میں ایک ریڑھ کی ہڈی کی سی مانند اپنا مرکزی کردار ادا کرتا ہے۔ دراصل، قرآن و حدیث کی اصل صورت و حقیقت کو تصوف یعنی درجہ احسان کی صورت اور کیفیت میں بخوبی زیادہ بہتر انداز میں سمجھا جا سکتا ہے۔ جہاں تہذیب کے دینیاتی پہلو زیادہ سے زیادہ اجاگر ہوتے ہیں۔ سماج میں شرعی احکام کو نافذ کرنے میں سہل میسر آتی ہے۔ یعنی تصوف ایک اسلامی معاشرے کا جزو لاینفک عنصر ہے۔ جس کی تربیت آغوش میں انسانی قالب کو ہر طرح کے غرور، تکبر، انانیت اور سرکشی سے باہر نکال کر خشوع و خضوع اور عجز و نیاز کا پیکر بنایا جاتا ہے۔ تاکہ وہ بردباری اور تحمل و برداشت کا علمبردار نیز معاشرے میں پیدا ہونے والی برائیوں کا بڑی ہی حکمت عملی اور شائستگی سے خاتمہ کر کے محبت، بھائی چارہ اور مساوات کا ماحول پیدا کرنے کا پیامبر بن سکے۔ تاکہ اس کے روشن کردار سے اسلامی معاشرے میں دور س اثرات مرتب ہوں۔ لوگ اخوت و بھائی چارے کی فضا میں فوز و فلاح کی جانب اپنا سفر کامیابی سے طے کر سکیں۔ عرب ممالک کی طرح خراسان میں بھی اسلامی افکار و نظریات کا پرچار ہوا۔ مسلم حکمرانوں کی آمد اور تعلیمات مصطفویہ ﷺ کو رائج کرنے سے اس ریاست میں ہر طرح کی اغیار باطلہ فکر کو یکسر رد کر کے عدل و انصاف اور برابری کا سا سلوک کیا جانے لگا، تو افغان معاشرے میں اس کو بے حد سراہا گیا۔ دوسری طرف علمائے ربانین نے قرآن و حدیث کے اسلوب کو نہایت سادہ اور عام فہم بنا کر آموزش مصطفویہ ﷺ کی راہ تربیت کو افغان سماج میں مزید ہموار کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں احسان کے اس عظیم مرتبہ کو حاصل کرنے کے لیے افغانستان میں تصوف کو حد درجہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہاں سے ایسے ایسے مردان حر اٹھے، جن کا طنطنہ ہفت اقالیم میں تصوف کی علمی و عملی صورت میں متعارف ہوا اور لوگوں کو حیات سرمدی سے روشناس کروا کر نکہت کا مرکز بنے۔

افغانستان سمیت وسطی ایشیاء کی دیگر ریاستوں میں جن صوفیائے کرام نے تصوف کی نشوونما کی ان میں بلخ کے بادشاہ ابراہیم بن ادھمؒ

(م۔161ھ/777ء) سر فہرست ہیں۔ انھوں نے بلخ کی بادشاہت کو ترک کر کے ریاضت شاقہ، مجاہدہ اور فقیری کو اختیار کیا۔ آپ کی خدائے واحد کے ساتھ بے لوث محبت اور عاجزی وانکساری اس قدر مقبول ہوئی، کہ مشہور برطانوی انگریزی شاعر و ماہر لٹریچر Willams Words Worth بھی آپ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور اپنی ایک مشہور نظم Abou Ben Adhem میں مزاولت، ورع، ترک عمارت اور دنیا سے بے ثباتی کا ذکر ملتا ہے۔ اسی طرح انہیں وادیوں میں سے شفیق بن ابراہیم (م۔194ھ/810ء)، حاتم لاحم (م۔237ھ/852ء)، احمد بن خضرویہ (م۔240ھ/854ء)، بایزید بسطامی (م۔261ھ/875ء)، حمدون قصار (م۔271ھ/884ء)، غزنی سے حضرت سید نا داتا گنج بخش علی ہجویری (م۔465ھ/1072ء)، بلخ سے حضرت جلال الدین بلخی (م۔672ھ/1273ء) معروف بہ مولانائے روم[54]، علاوہ ازیں خراسان کے صوفیائے متاخرین میں سے خواجہ بہاالدین نقشبند (م۔791ھ/1390ء)، خواجہ باقی باللہ (م۔1012ھ/1603ء)، حضرت مجدد الف ثانی (م1034ھ/1624ء)، حضرت شاہ رسول طالقانی (م۔1382ھ/1963ء)، مولانا محمد ہاشم سمنگانی (م۔1391ھ/1971ء) اور قندز کے مشہور عالم ربانی وروحانی پیشوا محمد ہلال معروف بہ حضرت استاذ صاحب مبارک (م۔1441ھ/2019ء) رحمہ اللہ علیہم اجمعین[55] زیادہ قابل ذکر و معروف ہیں جنہوں نے خطہ میں انتہائی ناگزیر حالات میں تصوف کی روشنی کو چراغ کی مانند جلایا اور مشک کافور کی مانند اطراف عالم میں عطر آگیں بھی کیا۔

وسطی ایشیاء میں جب جب ادب وثقافت کو زوال آیا، چاہے وہ ہلاکو خان (م۔663ھ/1265ء) کی صورت میں نمودار ہو یا پھر انقلاب ثور (1979ء) کی مانند پورے خراسان پر مثل سایہ عتاب کی صورت میں فگن ہوا۔ ان مشائخ عظام نے قرآن وسنت کی روشنی میں لوگوں کے افکار و نظریات کو استعماری قوتوں کی یلغار سے محفوظ رکھا۔ نیز اپنی تصانیف اور عملی کاوشوں سے اسلام کی سربلندی کو واضح کرتے ہوئے ان کے قلوب و اذہان کو جلا بخشی۔ افغانستان میں ان مردان خدا کا تراث علمیہ کا پھیلاؤ اور قرآن و حدیث کے ذریعے تربیت و تزکیہ نفس کرنا، درحقیقت اسلامی تہذیب و تمدن اور طرز بود و باش کی ترقی واحیاء کی وہ لاجواب روشن امثلہ ہیں، جس کی نظیر ملنا بھی محال ہے۔

علوم شرعیہ کے ذریعے عدل وانصاف، فرائض ازدواج، مسائل وراثت، استبدادیت کی بجائے شورائی نظام حکومت اور مطلق العنانیت کی بجائے مساوات، اخوت اور عادلانہ نظام وہ سیاسی و معاشرتی امثال ہیں جن سے، افغان معاشرے کو ایک معقول تہذیب ملی۔ افغان معاشرہ قبل از اسلام آریائی سماج و تہذیب کے بھور میں بری طرح جکڑا ہوا تھا[56]۔ مگر اسلامی تہذیب نے تعلیمات آفاقی سے نہ صرف اس معاشرے کو درست تعلیمات سے روشناس کروایا بلکہ ایسے اصول و قواعد بتلائے۔ جن کو اپنا کر یہ معاشرہ اپنی اصلاح، جمود سے ذہنی ترقی کی طرف راغب، شائستگی و علم دب کی طرف عازم سفر اور صراط مستقیم کی طرف گامزن ہوا۔

عہد درانی اور افغانستان:

افغانستان کے مشہور بادشاہ احمد شاہ ابدالی افغانستان کے معروف بادشاہ ہوئے ہیں۔ آپ کا تعلق سدوزئی قبیلہ سے تھا۔ آپ کے والد گرامی

زمان خان ہرات کے گورنر اور قبیلہ کے سردار تھے۔ آپ قریباً 1135ھ-1722ء کو ملتان یا ہرات میں پیدا ہوئے[57]۔ افغانوں کی تاریخ اور تمام مؤرخین وتذکرہ نگاروں کے نزدیک آپ کا شمار خطہ کے سب سے مشہور بادشاہوں میں ہوتا ہے، جو اپنی خداداد صلاحیتوں میں بے نظیر اور زبردست جنگجو کمانڈر تھے[58]۔ نادر شاہ (م۔1160ھ/1747ء) احمد شاہ کی قوت، سیاسی بصیرت اور مجاہدانہ خوبیوں سے بے حد متاثر تھا اور اسی کی سربراہی میں لشکر کو اپنے شاہی حرم کی حفاظت پر مامور کیا ہوا تھا[59]۔ نادر شاہ نے احمد شاہ ابدالی کی قائدانہ صلاحیتوں پر خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا:

"میں نے ایران، توران، ہندوستان کسی مقام پر بھی اتنا ذہین، صلاحیتوں سے بھرپور، وفادار اور بہادر نوجوان نہیں دیکھا ہے"[60]۔

نادر شاہ کے 1747ء میں قتل کیے جانے کے بعد افغانستان کے مختلف قبائل کے سرداروں نے شیخ سرخ کے مزار پر اکٹھا ہو کر باہمی اتفاق و رضامندی احمد شاہ ابدالی کو اپنا بادشاہ تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی اور موت کا اختیار بھی دے دیا[61]۔ افغان روایات کے مطابق احمد شاہ قندہار کے تخت پر بیٹھ کر ایک ابدالی نوجوان سے بادشاہ بن گیا۔ سرداروں نے اس کے لیے دُرِ دوراں (گوہر زمانہ) کا لقب تجویز کیا۔ مگر ابدالی نے اس میں تھوڑی سی ترمیم کر کے دُرِ دوراں کی بجائے دُرِ درّاں (گوہروں کا گوہر) کر دیا اور اسی نسبت سے اس کے قبیلہ کا نام ابدالی سے درانی معروف ہوا[62]۔

مزید برآں، اسی اجلاس میں تمام قبائل کے سرداروں نے متفقہ طور پر گٹھ جوڑ کو ایران سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے منقطع کرنے کا فیصلہ کر لیا اور باقاعدہ اعلان کر دیا گیا کہ آج کے بعد یہ سرزمین ایک آزاد اور خود مختار ریاست کے طور پر اپنا عظیم بادشاہ رکھتی ہے[63]۔ احمد شاہ ابدالی کو ان فیصلوں سے بہت زیادہ تقویت ملی اور وہ ایک قوت بن کر ابھرا۔ ابدالی بذات خود ایک رحم دل، نیک، فیاض اور دریا دل انسان تھا۔ متعدد قبائل، جنہوں نے غیر مبہم اور واضح طور پر اس کی بادشاہت کو تسلیم نہیں کیا تھا، مگر اس کے اقدامات، ذاتی کردار اور شرافت سے متاثر ہو کر اس کی اطاعت میں آ گئے اور وفادار بن کر حکومت کا ساتھ دینے لگے[64]۔ اگرچہ بادشاہ بننے کے بعد احمد شاہ کو نئی ریاست کے استحکام کے سلسلے میں ابتداء میں قسم قسم کے کئی چیلنجز درپیش رہے، مگر نادر شاہ کی فرماں روائی، جنگجو اور حریت پسند قوم سے تعلق اور غیر معمولی صلاحیتوں کے پیش نظر انہوں نے ایشیاء کی بہترین فوج کے ساتھ مل کر اپنی حکومت کو نہ صرف مضبوط بنیادوں پر استوار کیا بلکہ ایک وسیع و عریض سلطنت کے استحکام کو وجود بخشا۔

افغانستان کی سیاسی وحدت کا تشخص برقرار رکھنے اور نظم مملکت کے لیے احمد شاہ ابدالی کو ایک جنگجو اور خود مختار قبائل پر مشتمل قوم کا سامنا تھا۔ ابدالی ایک افغانی اور افغانوں میں ہی زندگی بسر کر رہا تھا، اسی لیے ریاست کے اندر سے ہر قسم کی عدم استحکام والی صورت کو ختم کرنے اور تحفظ و سلامتی کا بندوبست کرنے کے لیے اس نے حکومتی رٹ اور حکومت کی قوت کو افغان معاشرے پر براہ راست استعمال کرنے سے ہمیشہ اجتناب کیا۔ بلکہ یہ طاقت قبائلی سرداروں کو تفویض کر کے نظم حکومت کو پائیدار بنا لیا۔ تمام قبائل پر حکومت براہ راست نہیں بلکہ ان کے سرداروں کی وساطت سے بالادستی کو قائم کرے گی[65]۔

ابدالی اپنی رحمدلی، اعلیٰ ظرفی، عالی دماغ اور وسعت نظر کے پیش تمام قبائل کو یکجا کرنے میں کامیاب رہا۔ قوم کو بادشاہ کے ساتھ قریب سے قریب تر کرنے میں انہوں نے جذبہ قومیت اور وطنیت کو زیادہ سے زیادہ فروغ دے کر قبائل کو وفاداری پر اکٹھا کر لیا۔ اسی لیے اپنے چھبیس سالہ (1747ء–1773ء) دور حکومت میں احمد شاہ ابدالی نے سیاسی وحدت کی بناپر دریائے سندھ کے اطراف آٹھ حملے کیے اور پنجاب کی وادی سے ہوتا ہوا دہلی تک جا پہنچا اور لاہور، ملتان کو فتح کر کے مغربی پنجاب کو فتح کرنے کے بعد مشرق سرحد سے سرہند اور کشمیر کو بھی تسخیر کر لیا[66]۔

علاوہ ازیں 1761ء کو ہندوستان کے اسلامی امراء اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م۔1173ھ/1762ء) کی دعوت اور ایماء پر [67] مرہٹوں کی سرکوبی کے لیے عازم سفر ہوا اور دہلی سے پچاس میل بجانب شمال میں پانی پت کے تاریخی میدان میں مرہٹوں کی روز افزاں ابھرتی طاقت کو زبردست شکست فاش دے کر کچل دیا[68]۔ اگرچہ اس تاریخی جنگ نے ہندوستان کے سیاسی نقشہ کو ایک نئی صورت دی مگر مؤرخین اس تاریخی جنگ کو دنیا کی فیصلہ کن لڑائیوں میں شمار کرتے ہیں اور بعض مؤرخین کے نزدیک جنگ برطانوی راج کی راہ کو ہموار کرنے نہ صرف محرک ثابت ہوئی بلکہ پنجاب میں طوائف الملوکی اور سکھوں کو نئی طاقت فراہم کرنے کا سبب بھی بنی[69]۔

ابدالی نے 1182ھ–1768ء کو بلخ و بخارا کی جانب لشکر کشی کی۔ تاکہ افغانستان کی سلطنت کو وسعت دی جا سکے۔ بلخ اور بدخشاں کے ساتھ ملحقہ علاقوں میں سرحدی حد بندی نہ ہونے کی وجہ سے سرحدی تنازعات جنم لیتے تھے۔ احمد شاہ میمنہ، بلخ، شبرغان میں امن وامان کو بحال کرتا ہوا حاکم بخارا شاہ مراد بے کے ساتھ دریائے آمو کے شمال موضع قرشی میں خیمہ زن ہوا۔ احمد شاہ فطرتاً ایک مہربان، تدبر اور فیاض شخصیت کا مالک تھا۔ اسی لیے اس نے مسلمان فوج کے ساتھ جنگ کرنے کی بجائے راہ مصالحت کو اختیار کیا اور جلد ہی دونوں ریاستوں میں معاہدہ طے پا گیا کہ دریائے آمو دونوں سرحدوں کے درمیان حد فاصل رہے گا اور کوئی فریق کسی دوسرے کو اذیت نہیں پہنچائے گا۔

اس کی اعلیٰ ظرفی اور خوبیوں کا اعتراف کرتے ہوئے مشہور مؤرخ علامہ عبدالحہ حبیبی لکھتے ہیں:

"احمد شاہ ابدالی رحم دل اور خوش رہنے والی طبیعت کا مالک تھا۔ دربار اور دوسرے سرکاری مواقع پر وہ نہایت حکمت سے کام لیتا۔ لیکن ذاتی زندگی میں اس کا انداز بلکل غیر رسمی اور دوستانہ تھا۔ درانیوں سے وہ اسی بے تکلفی سے پیش آتا، جس طرح بادشاہ بننے سے پہلے آتا تھا"[70]۔

اسی ہیئت، نہایت پر وقار اور انسانیت پسندی کے پیش نظر شاہ مراد بے بہت متاثر ہوا۔ اس نے ابدالی کو نبی کریم ﷺ کا وہ جبہ مبارک پیش کیا، جو حضرت اویس قرنی (م۔37ھ/658ء) اپنے ساتھ لے آئے تھے اور اس وقت بخارا میں نسل در نسل محفوظ چلا آرہا تھا۔ احمد شاہ نبی کریم ﷺ کی اس بابرکت یادگار کو نہایت ہی ادب واحترام اور شاہانہ انداز میں قندھار لے گیا[71]۔

احمد شاہ فطرتاً مذہبی نظریات کا حامل انسان تھا۔ وہ شریعت کا پابند، حنفی مذہب کا قائل عالم باعمل اور احکامات پر پختگی سے عمل کرنے والا شخص تھا۔ علمائے دین سے بے لوث محبت کرتا۔ کابل سے پشاور کی طرف دوران مراجعت شیخ میاں عمر چمکنی (م۔1190ھ/1776ء) کی درگاہ پر حاضری دیتا۔ نیز سفر ہندوستان میں حضرت نظام الدین اؤلیاء (م۔725ھ/1324ء)، بو علی شاہ قلندر

(م۔724ھ/1324ء)اور دیگر اکابرین اؤلیاء کے مزارات پر حاضری دیتا۔اسی عقیدت کے تناظر میں احمد شاہ کو شاعری سے شغف ہوا اور ایک دیوان مرتب کیا، جس میں عشق، تصوف، حماسی اور اخلاقیات سے متعلق کم و بیش ڈھائی ہزار اشعار پائے جاتے ہیں۔اس کلام میں اپنے دور کے نامور صوفیائے کرام بالخصوص میاں محمد عمر چمکنی (م۔1190ھ/1776ء)اور حضرت شاہ فقیر اللہ علوی جلال آبادی (م۔1195ھ/1781ء) سے بہت زیادہ عقیدت واحترام کو ظاہر کیا ہے۔ علاوہ ازیں ان اشعار میں تصوف سے متعلقہ بعض ملفوظات بھی ہیں۔ جن پشاور کے مشہور عالم قاضی محمد غوث نے "شرح اشرح" کے نام سے دری (فارسی) زبان میں شرح کی ہے۔اس تمام اشعار کا دیوان پشتو زبان میں "لوئے احمد شاہ بابا" کے نام مشہور مؤرخ وادیب علامہ عبدالحٰہ حبیبی کی وساطت سے 1319ش ھ میں کابل سے شائع ہو چکا ہے[72]۔

مزید برآں، احمد شاہ کا زیادہ وقت، اسلامی سلطنت کو مستحکم اور تمدنی حیثیت کے لحاظ سے وسیع کرنے کے لیے طویل جنگی محاذوں پر گزرا، اسی لیے یہ علم کی ترقی و نشو نما پر خاطر خواہ توجہ مرکوز نہ کر سکا، مگر تذکرہ نگاروں کے نزدیک افغانستان میں علم کو فروغ دینے میں ایک اہم محرک ثابت ہوا۔ تعلیم کی راہ کو ہموار کرنے میں ایک علمی مصدر کے طور پر جانا گیا[73]۔

غالباًاسی لیے نظم مملکت میں محکمہ شرعیہ کا قیام دراصل تعلیم کو فروغ دینے کی ایک کڑی ثابت ہوئی، جس میں شرعی قوانین کے مطابق لوگوں کی دادرسی کا انتظام موجود تھا[74]۔

احمد شاہ ابدالی مثبت مذہبی پالیسی کا ہمنوا تھا۔ حالانکہ یہ بذات خود اپنے رفقاء کے ساتھ ریاست میں پائے جانے والے باغی، خراسان کے بدعقیدہ، سکھوں اور ہندوؤں کے خلاف لشکر کشی میں رہتے تھے، مگر کبھی بھی انتہا پسندی اور مذہبی جنونیت کے راستہ کو نہ اپنایا۔ بلکہ انسان دوستی اور باہمی مذہبی، ہم آہنگی کو رواج رواج دینے کی کوشش کی۔ احمد شاہ کی مذہبی رواداری اس عمل سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ لاہور اور کشمیر پر سکھ اور ہندو حاکم مقرر کیے۔ تجارت میں مکمل آزادی دی۔ مندروں اور گردواروں سے متعلق بازپرس یا مزاحمت نہ کی بلکہ مرہٹوں سے گفت وشنید کے لیے ہندو وکیل مقرر کیے۔

علاوہ بریں، سماجی لحاظ سے بھی احمد شاہ نے معاشرے کو درست سمت گامزن کرنے کی اصطلاحات کو متعارف کروایا۔ اسلامی نظریہ کو تقویت دیتے ہوئے، خواتین کے مقام ورتبہ کو واضح کیا۔ طلاق کو ممنوعہ قرار دے بیوہ عورتوں سے دوبارہ نکاح کرنے کی پرزور تحریک شروع کی۔ لوگوں کو متوازی فکر کی دعوت دی اور شعور وآگاہی کے لیے سماج میں بتایا کہ اگر کسی شخص کی موت کے بعد اگر کوئی اس کا قریبی رشتہ دار موجود ہو سوائے اس کے باپ، بھائی یا بیٹے کے اس بیوہ سے شادی کر کے معاشرے میں پائی جانے والی فرسودہ روایات کا خاتمہ کیا جاسکے[75]۔

افغانستان کو سیاسی وحدت میں منظم کرنا اور اس کی تہذیبی و تمدنی روایات کو فروغ دینا، ابدالی کے عظیم کارناموں میں سے ہے۔ افغانوں کو ایک قوم بنا کر افغانستان کو دنیا کے نقشے پر ابھارنے کا کارنامہ بھی انہی کے سر ہے۔ احمد شاہ ایک افغان تھا اور اپنی پوری حیات کو مادر وطن کی عظمت بڑھانے اور ترقی کی جانب گامزن کرنے کی طرف برسرپیکار رہا۔ اسی لیے دو صدیاں گزر جانے کے باوجود افغان قوم کے قلوب و

اذہان میں زندہ ہے۔ جو اس کو "احمد شاہ بابا" کے نام سے یاد رکھتے ہیں(76)۔

مسلسل جنگی مہمات اور ناک و منہ کے سرطان کی وجہ سے احمد شاہ ابدالی کافی علالت کا شکار بھی رہے۔ آپ کا وصال 20 رجب 1186ھ/1773ء کو بمقام ارک ہوا۔ آپ کی منتخب کردہ جگہ قندہار میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا(77)۔

سفر جدیدیت اور افغانستان:

تاریخی اور سیاسی تناظر میں افغانستان مختلف ادوار میں منقسم دکھائی دیتا ہے۔ لیکن بیسویں صدی کا افغانستان سیاسی افق پر شہنشاہیت صورت میں نمودار ہو کر پیچ در پیچ مذہبی، تہذیبی اور علمی تناظر میں نئی شاہراہ کی جانب عازم سفر ہوا۔ ان مختلف فیہ ادوار میں ہونے والی اصطلاحات سے خطہ کی تمدنی طرز بود باش پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ عالمی طاقتوں برطانیہ اور روس کی خصوصی دلچسپی نے اس خطہ میں بسنے والے باسیوں میں فکر جدیدیت کو فروغ دیا۔

گیارہ اکتوبر 1901ء کو حبیب اللہ خان (م۔1337ھ/1919ء) بن عبدالرحمن خان (م۔1318ھ/1901ء) والئی افغانستان کا فرزند کلاں، امیر منتخب ہوا(78) تو اپنی ریاست کو دنیا کی دیگر اقوام عالم سے ہم آہنگ کرنے کے لیے نئی اصطلاحات کو نافذ کرنے کا عزم کرتے ہوئے آرمی سکول اور کالجز کی تعمیر کا انصرام کیا۔ وسیع وجدید طرز کی کئی درس گاہیں بنائیں۔ جن میں حبیبیہ سکول قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ بجلی کی سپلائی کو پہلی بار افغانستان میں پہنچایا گیا۔ الیکٹرک واٹر مشینز، جدید ترین آلات اور بین الاقوامی طرز ہائے تعلیم کے طریقہ کو رائج کرنے کی مساعی سرانجام دیں۔ جنگ عظیم اول میں وائسرائے لارڈ منٹو (م۔1914ء) کے ایماء پر امیر حبیب اللہ جرمنی اور ترکی کے معاملے میں غیر جانبدار رہا اور بطور ضمانت افغانستان کی مکمل آزادی و سلامتی کا مطالبہ سامنے رکھا۔ حالانکہ ساٹھ ہزار افغان انگریزوں کے ساتھ لڑنے پر آمادہ بھی تھے۔ تاہم غیر جانداری کی وجہ سے امیر کو سخت عوامی ردعمل کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن پہلی بار خطہ میں جدید طرز ہائے بودوباش کو شناسی کروانے میں کامیاب رہا۔(79)

28 فروری 1919ء کو امیر امان اللہ خان (م۔1379ھ/1960ء) نے اپنے والد کی شہادت کے ساتویں روز امارت کی کمان کو سنبھالا اور از سرنو افغانستان کے سیاسی، علمی اور تہذیبی حالات کو منظم کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ امیر امان اللہ فطرتاً افغان قوم کو تمدنی، اقتصادی اور علمی لحاظ سے ترقی یافتہ دیکھنا چاہتا تھا اور لوگوں کو قدامت پسندی سے نکال کر فکر جدیدیت سے آشنا کرنے کا حامی تھا۔ اپنی فکر کو فروغ دینے کے لیے عوامی سطح پر اپریل ۱۹۱۹ء میں سراج الاخبار کی جگہ "امان افغان اخبار" کی اشاعت سے افغان معاشرے میں عصری تعلیم کی افادیت کے مجموعہ کو یکجا کر کے عوام میں نئی روح پھونکنے کی کوشش کی، جس سے عوام میں حصول علم کا جذبہ پیدا ہوا اور نئے نئے سکول و مدارس کی تاسیس میں لوگ مالی خدمات پیش کرنے لگے۔ ولایت خوست کے لوگوں نے آٹھ لاکھ افغانی مالی امداد بھی کی(80)۔ امیر کے دور میں تعلیم نسواں پر بھی خصوصی طور پر زور دیا گیا۔ حکومت خصوصی دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے مرد و خواتین کو بیرون ممالک اعلیٰ تعلیم کے لیے بھیج رہی تھی اور کابل، قندھار، خوست، گردیز، زرمت اور لوگر میں سکولوں کے تشکیل و ترویج پر بڑی تیزی سے زور دیا جا رہا تھا(81)۔

1922ء میں وزیر خارجہ محمود طرزی(م۔1351ھ/1933ء) جو امیر امان اللہ کا خسر اور مصطفی کمال اتاترک پاشا (م۔1356ھ/1938ء) کے نظریات کا علمبردار تھا۔اس کی مشاورت سے حکومت افغانستان نے فرانس کے ساتھ معاہدہ کیا۔ جس کی روسے کئی افغان طلاب کو فرانس کی مختلف جامعات میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے بھیجا گیا۔ علاوہ ازیں، 1924ء کو کابل میں نجات کالج (جرمن زبان) اور 1928ء کو غازی کالج (انگریزی زبان) کے نام سے خارجی زبانوں میں جامعات بنائے گئے اور حبیبیہ کالج کابل کو علی گڑھ کالج انڈیا کی طرز پر ترقی دے کر خارجی زبان میں چہارم درجہ کا ادارہ بنا کر ایک نئی جہت پر چلایا جانے لگا۔ امیر ہی کے دور میں غلامی کے قانون کو منسوخ قرار دیا گیا۔ عورتوں کی اعلیٰ تعلیم کے لیے حکمت عملی تیار کر کے مخلوط تعلیم کے اجراء سے پابندی ختم کی گئی۔ پریس سے ہر قسم کی پابندی کی ختم کر دی گئی اور اظہار رائے میں آزادی دی گئی۔ عسکری و عمرانی طور پر تبدیلی کرتے ہوئے پورے خطہ بالخصوص کابل میں مغربی لباس کو ضروری قرار دے دیا گیا[82]۔

کابل سے ارشاد نسواں کے نام سے رسالہ شائع کر کے اعلیٰ تعلیم کے انتظامات کو حتمی شکل دے دی گئی اور جہالت و تعصب کے خلاف کاروائی کا آغاز کر دیا گیا[83]۔امیر نے اصطلاحات کے نفاذ اور امن و سکون کو قائم کرنے کے بعد اپنے لیے امیر کی بجائے "بادشاہ" کا لقب اختیار کر لیا[84]۔امیر اگرچہ ایک وطن پرست بادشاہ تھا، مگر فطرتاً شاہانہ تکبر کا حامل انسان بھی تھا۔ کیونکہ اس کے نزدیک بادشاہ ایک پائدار، ابدی اور لایزال قدرت ہے اور جو وہ چاہتا ہے کر سکتا ہے[85]۔

دوسری طرف امیر امان اللہ خان ایک روشن خیالات کا حامل حکمران بھی تھا۔ خطہ کو ترقی یافتہ ممالک کی دوڑ میں شامل کرنے کا خواہاں تھا۔ بیسویں صدی کے جدید تقاضوں کے عین مطابق ملک کے ہر طبقہ میں اہم تبدیلیوں کا شدید خواہشمند تھا۔ اگرچہ امیر کی ان اصطلاحات سے ریاست میں جدیدیت کو فروغ پانے سے خاطر خواہ نتائج کا حصول ممکن ہو جاتا تھا۔ مگر افغانستان چونکہ خالصتاً اسلامی خطہ ہے[86]۔ یہاں ایسے قوانین کے ترویج و اشاعت اور قوانین کے نفاذ سے علماء و مشائخ، امیر افغانستان سے سخت بیزار ہو گئے۔ عوام الناس کی جانب سے آہستہ آہستہ رد عمل آنا شروع ہو گیا۔ 1928ء کو پغمان میں منعقد کیے گئے لویہ جرگہ میں علمائے کرام و پچاس ہزار مشائخ عظام کی معیت میں بالخصوص "حضرات مجددیہ خانقاہ شور بازار قلعہ جواد کابل" نے "حکومتی نظام نامے اساسی دولت عالیہ افغانستان" اور قوانین کو غیر اسلامی قرار دے کر امان اللہ کے خلاف کفر کا فتوی جاری کیا اور حکومت کے خلاف "اب نہیں یا پھر کبھی نہیں" کی بنیاد پر کم و بیش اٹھارہ مطالبات بطور الٹی میٹم پیش کر کے اسلامی نظام پر حامل اصطلاحات پیش کر دیں، نیز پورے خطہ میں عوام الناس کو یہ باور کروایا گیا کہ یہ قوانین سراسر خلاف شریعت ہیں۔ لہذا، عوام حکومت کے خلاف بغاوت پر اتر آئے۔ قریہ قریہ میں ہونے والی بغاوت اور ملکی سالمیت کے تحفظ کے پیش نظر ریاست کو اپنے گھٹنے ٹیکنے پڑے اور سب اصطلاحات جدیدہ کا خاتمہ کر دیا گیا[87] کیونکہ ان کے نزدیک اس دستور کی بنیاد سیکولیرزم و ثنویت پر استوار تھی۔ جنوری 1929ء میں بگڑتے ہوئے حالات کے تناظر میں کابل کے امان اللہ اخبار میں اہم شاہی اعلامیہ جاری کیا گیا جس کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

- تمام جدید اصطلاحات کو یکسر ختم کر دیا گیا ہے۔
- یورپی لباس پہننے پر پابندی لگادی گئی ہے۔
- خواتین کو پردہ ہٹانے کے تمام احکامات کو منسوخ کر دیا گیا ہے۔
- جدید تعلیم کے حصول کے لیے یورپی ممالک میں سکالرشپس پر بھیجی گئیں افغان لڑکیوں کو واپس بلوانے کے احکامات صادر کیے گئے ہیں۔
- خواتین کے لیے ہر طرح کی انجمن جس سے عریانی و فحاشی کو فروغ ہونا ممکن تھا، کو ختم کر دیا گیا۔
- جمعہ وار تعطیل کا اعلان اور علمائے دیوبند کے فارغ التحصیل علماء کو افغانستان میں داخلے کی اجازت دی گئی۔
- جبری فوجی ملازمت کے احکامات کو منسوخ کر دیا گیا۔
- رشوت ستانی کے معاملات میں راشی و مرتشی کو سخت سزائیں دینے کا کہا گیا[88]۔

افغانستان کے سیاسی، مذہبی، علمی اور تہذیبی حالات کو جدیدیت کے دھارے میں لانا اور امیر امان اللہ خان کی اصطلاحات جدیدہ خلافت شریعت تھیں یا نہیں لیکن محققین کے نزدیک اگر بادشاہ مزید دو یا تین سال تک مناسب وقت کا انتظار کرتا اور اصطلاحات کے پیش نظر ایک مضبوط سیاسی اور عسکری تنظیم کی بنیاد رکھتا جیسے کمال اتاترک نے تجویز کیا تھا، تو اصطلاحات کے نفاذ میں امیر کو کامیابی ضرور ملتی[89] کیونکہ انگریز کسی صورت نہیں چاہتے تھے کہ افغانستان ترقی اور جمہوری اقدار کی طرف اپنا سفر طے کر سکے اور بادشاہ کی خود کی جمود اور استبدادی سوچ نے کئی مسائل کو جنم دیا[90]۔ لیکن قابل ذکر بات یہ ہے کہ جب اغیار باطلہ کی تہذیب و تمدن کو سینے سے لگا کر اپنی معاشرتی و مذہبی روایات کے خلاف عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرنا افغانستان جیسے معاشرے میں ہمیشہ سے رجعت پسندانہ تحریکوں کو جنم دینا ہے[91]۔

مزید برآں، محمد نادر شاہ (م۔1351ھ/1933ء) کے دور میں افغانستان میں خاطر خواہ تہذیبی و علمی ترقی ہوئی۔ بادشاہ ایک معتدل مزاج، خاموش طبع، مدبر اور وطن پرست انسان تھا۔ سماج میں ہونے والی اقتصادی اور تعلیمی میدان میں جدید اصطلاحات کا حامی تھا[92]۔ مغرب سے دوستی کے باوجود تدریجی طور پر ترقی لانے کے حق میں تھا۔ اسی لیے اس نے روس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا اور ملک کو اقتصادی طور پر استحکام بخشا۔

نادر شاہ کی شہادت کے بعد ظاہر شاہ (م-1427ھ/2007ء) نے ملک کی بھاگ دوڑ سنبھالی۔ ظاہر شاہ کا دور افغانستان کی آئینی اور سیاسی تاریخ میں اساسی قانون کا عشرہ کہلاتا ہے۔ اس دور میں افغانستان نے سیاسی، اقتصادی، مواصلاتی، تمدنی اور تعلیمی میدان میں خاطر خواہ ترقی کی گئی[93]۔ اگرچہ محمد نادر شاہ کے دور میں میڈیکل کالج، دار العلوم عربیہ، نادری دار لاینام، موسسہ چارندوی اور فارمیسی کالج کی بنیاد رکھی گئی۔ اس کے علاوہ لیسہ استقلال، نجات حبیبیہ اور دار العلوم غازی کو از سر نو منظم کر کے کابل میں پہلی بار جامعہ فنون حرب کی بنیاد رکھی[94]۔ ظاہر شاہ کے عہد میں وزارت تعلیم نے لیسہ حبیبیہ، استقلال اور نجات کی آخری جماعتوں کے طلباء کے لیے سائنس فیکلٹی کا افتتاح کیا اور اس فیکلٹی

کو ریاضی، کیمیا، فزکس اور بیالوجی، کے شعبہ جات پر مرتب کیا تاکہ سائنسی طرز ہائے تدریسی کو فروغ دیا جاسکے۔اس فیکلٹی کے تحت ابتدائی طور پر اس میں سولہ (16) طلباء زیر تعلیم رہے[95]۔1953ء میں تڑتالیس (43) سکولوں کا افتتاح کیا گیا۔ان میں سے کابل اور اس کے مضافات میں انیس، ہرات میں تین، مزار شریف میں چار، قطعن اور بدخشاں میں چھ، مشرقی ولایات میں چھ، جنوبی ولایات میں دو اور میمنہ میں ایک سکول کا افتتاح کیا گیا[96]۔

1936ء میں افغانستان میں ساٹھ پرائمری اور چھ مڈل سکول تعمیر کیے گئے اور اسی سال النہ، حفظان صحت، پوسٹ اور ٹیلیگرام کے شعبوں میں پشتو زبان میں اعلیٰ کورسز کروائے گئے اور انہی شعبوں سے متعلقہ افراد کو مزید تعلیم کے لیے ترکی بھیجا گیا اور قندھار میں ''لیسہ احمد شاہ بابا'' کا افتتاح کیا گیا۔ کابل میں دارالمعلمین کی بنیاد رکھی گئی اور اسی سال پشتو ادبی انجمن اور کابل ادبی انجمن کو انضمام کر دیا گیا اور پشتو ٹولنی کے ناموں سے ادبی کاموں کا آغاز کیا گیا[97]۔ سال 1938ء کو افغانستان کی تعلیمی ترقی میں مزید اضافہ ہوا اور اسی سال پورے ملک میں اٹھتر (78) نئے پرائمری سکول اور مڈل سکول بنائے گئے۔ نئے سکولوں کے قیام اور مفت تعلیم کے انصرام سے لوگوں میں حصول تعلیم کا شوق بلند ہوا اور حکومتی توجہ کی وجہ سے اٹھانوے منتخب افراد کو فرانس، جرمنی، امریکہ اور ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم کے لیے بھیجا گیا۔اسی سال حکومتی کے زیر سرپرستی حقوق اور علم فرمانروائی کی اکیڈمی کابل کے علاقے بوستان سرائے میں قائم کی گئی[98]۔

1940ء میں آٹھ پرائمری سکول کابل میں، تین قندھار میں، چھ سکول مشرقی ولایات میں، ایک پرائمری سکول کو ولایت خوست میں تعمیر کیا گیا، نیز دو مسلکی سکول، "سکول مساحت اور سکول حکام" کے نام سے کابل اور دس سکول گرشک اور ایک لیسہ کو قندہار میں شروع کروایا۔ 1941ء میں ملک کے بہت سے پرائمری مدارس کو ترقی دے کر انہیں مڈل سکولوں کا درجہ دے دیا گیا۔ ظاہر شاہ کے دور میں مجموعی طور پر افغانستان میں تعلیمی ترقی کی کوشش کی گئی تھی کہ افغانستان کے لوگ دینی علوم کے ساتھ ساتھ جدید علوم سے بہرہ ور ہو کر یورپی اور غیر ملکی اقوام کے ساتھ علمی طور پر مقابلہ کر سکیں اور جدید علوم و فنون و ٹیکنالوجی کی طرف گامزن ہو سکیں[99]۔

سردار محمد داؤد خان (م۔1398ھ/1978ء) کا دور حکومت افغانستان میں ایک پر آشوب اور فتنہ انگیزی کا زمانہ تصور کیا جاتا ہے[100]۔1974ء میں سردار دینی اور اشتراکی پسند جماعتوں کے درمیانی کشمکش کا جائزہ لے رہے تھے۔لہٰذا اس دور میں کئی نامور شخصیات اور کمیونسٹ نظریہ حامل لوگوں حکومتی احکامات کی خلاف ورزی پر پابند سلاسل کیا گیا[101]۔آپ سابق صدر اعظم افغانستان اور محمد ظاہر شاہ خان، بالترتیب رئیس اعظم محمد عزیز خان اور جنرل نادر خان کے بیٹے اور آپس میں چچازاد بھائی، بہنوئی اور سالے تھے۔ بنابریں ،آغاز سے ہی اعلی حکومتی مناصب پر فائض المرام رہے اور افغان دور سیاست میں ایک جابر و متکبر ڈکٹیٹر حکمران کے طور پر ابھرے[102]۔علاوہ ازیں افغانستان کے لوگ سردار کو استبدادی مزاج کی وجہ سے ''لیونے سردار'' یعنی پاگل سردار کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں کیونکہ وہ کم تولنے والے نانبائی کو زندہ، جلتے ہوئے تندور میں ڈال چکا تھا[103]۔ ظاہر شاہ کی حکومت کی پالیسیوں کی قیام پذیری نے بعد میں خود سردار کے لیے مشکلات پیدا کر دیں اور انہی منفی پالیسیوں نے افغانستان کے علمی اور تہذیبی حالات پر نہایت دور رس اثرات مرتب

کیے[104]۔ سردار کی حکومتی نااہلی و غفلت سے ملک کا نظام کمزور ہوتا گیا اور افغانستان بتدریج عالمی طاقتوں کے نرغے میں جکڑتا گیا۔ حالانکہ سردار نے روس کی پشت پناہی پر سوشلزم کا نعرہ بھی لگایا اور ریاست میں وسیع پیمانوں پر تعلیمی، سیاسی، تہذیبی اصطلاحات کا آغاز کیا[105] لیکن سیاسی ریشہ دوانیوں سے یہی اصطلاحات مستقبل قریب میں سردار کے لیے شدید تر مزاحمت کا پیش خیمہ اور جان لیوا ثابت ہوئیں[106]۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ نمایاں ہوا کہ قبل از اسلام، دیگر مذاہب باطلہ سے لے کر مابعد اسلام، اسلامی تعلیمات نے افغانستان کی طرز بود و باش کو بڑی حد تک متاثر کیا ہے۔ افغانستان کی جغرافیائی ہیئت نہ صرف اس کے سیاسی ارتقاء اور افغان معاشرے پر بڑی شدت سے نفوذ پذیر ہوئیں بلکہ فاتحین اسلام کی آمد اور ان کی طالع مندی نے دین کی جڑوں کو مستحکم کرنے کے لیے، ناگفتہ حالات و سخت مسائل میں بھی افغانستان میں اسلامی نفاذ کی کاوشیں کو سرانجام دینے میں کامیاب و کامراں رہے۔ علاوہ ازیں، بیسویں صدی میں روسی یورش دیگر استعماری قوتوں نے جہاں برسرپیکار ہو کر ظلم و بربریت کا بازار گرم کرتے ہوئے افغانستان کے تہذیبی اور سماجی اثرات پر بہت گہرے اثرات مرتب کیے ہیں، وہیں افغانستان کے علماء و مشائخ نے لوگوں کو دعوت فکر کے ساتھ ساتھ اپنی علمی و جہادی کاوشوں کو بھی جاری رکھتے ہوئے خطہ کی سیاسی اور تہذیبی اساس کو مستحکم رکھا، تاکہ معاشرہ اپنی درست سمت کی جانب گامزن رہے، نیز افغان قوم ہمیشہ سے اوہام کی بجائے عملیت پسندی کی طرف زیادہ ترجیحات رکھتی ہے، بنا بریں، اپنی گوریلائی جنگ حکمت عملی سے پچھلی کئی دہائیوں سے طاغوتی قوتوں کے خلاف برسرپیکار ہے۔ اگرچہ افغانستان تاریخی تناظر میں کئی قرنوں سے تہذیب و تمدن کا گہوارہ اور جغرافیائی لحاظ سے وسطی ایشیاء میں اپنی ایک مسلمہ حیثیت رکھتا ہے، تاہم گزشتہ دو صدیوں (20-21) میں عالمی طاقتوں سمیت کئی استعماری قوتوں کا غیر محتاط رویہ تسلسل سے اس خطہ میں فساد و دہشت گردی کا موجب بن رہا ہے۔

حوالہ جات و حواشی

1. G.J,Arez, Geography of Afghanistan, (Kabul: Times Annual,1970), P:19
2. Tahir Amin, Afghanistan, Crisis, Implications and options for Muslim world, Iran and Pakistan, (Islamabad: Instituteof policy studies,1987), P:40
3. Kamal Matinuddin, Power struggle in Hindukush Afghanistan (1978:1991), (Lahore: WajidAlis, 1991), P:2-3
4. Imperial Gazetteer of India, Afghanistan and Nepal, (Calcutta: Superintendent of Government Printing press, 1908), P:02
5. Lovis Dupree, Afghanistan, (Karachi, Oxford University Press,1997), P:33
6. Ibid, P:03
7. Lashkaripour, Gholam Reza, Hussaini, S.A, Water resource Management in Kabul river basin, eastern Afghanistan, (The environmentalist 28, 2008), P:01 (DOI : 10.1007/S10669-007-9136-2)
8. Rishtya, S.Q, The Rivers of Afghanistan, (Kabul: Shah M Book Co, 1947), P:10
9. Lovis Dupree, Afghanistan, P:03
10. Imperial Gazetteer of India, Afghanistan and Nepal, P:07

11. بابر، ظہیر الدین، تزک بابری، (کابل: انجمن تاریخ، س ن)، ص:42
12. Lovis Dupree, Afghanistan, P:17
13. Ibid
14. Fairservis, Walter, Future Archeological Research in Afghanistan, (South Western Journal of Anthropology, the University of Chicago, 1953), 9/139-136
(www.jstor.org/stable/3628572)
15. Ludwig W. Adamec, Hostorical Dictionary of Afghanistan, (New Jersey: Scarecarow Press 2012), P:36
16. Ibid, P:37
17. غبار، غلام محمد میر، افغانستان بیک نظر، (کابل: پشتو ٹولنہ، 1326ش ھ)، ص:21
18. Mountstuart Elphinstone, An account of the Kingdom of Caubul, (Karachi: Oxford University Press,1972),1/200
19. القرآن، 247/2
20. ہروی، نعمت اللہ، خواجہ، تاریخ خانجہانی و مخزن افغانی، (لکھنو: مکتبہ ندارد، 1876ء)، ص:37
21. فرشتہ، محمد قاسم، تاریخ فرشتہ، (لکھنؤ: مکتبہ ندارد، 1321ھ)، ص:57
22. Olaf ‹Caroe, The Pathans 550B.C. - A.D. 1957, (New York: Macmillan & Co LTD St Martin's press,1958), P:80
23. Ibid.
24. Ibid, P:81
25. Ibid, P:81-82
26. القرآن، 247/2
27. ہروی، نعمت اللہ، خواجہ، تاریخ خانجہانی و مخزن افغانی، ص:72
28. گنڈاپور، شیر محمد خان، تاریخ پشتون، مترجم: سراج احمد علوی، (کراچی: شیخ علی اینڈ سنز، 1979)، ص:170-166
29. Bellew, H.W,Races of Afghanistan, (Calcutta: Thacker Spink and Co,1880), P:15
30. Spain, W.James,The Way of the Pathans, (London: Robert Hale Limited,1962),P:27-28
31. Mountstuart Elphinstone, An account of the Kingdom of Caubul,1/218
32. افغانی، جمال الدین، تتمۃ البیان فی تاریخ الافغان، مترجم: محمد امین خوگیانی، (پشاور: سبا کتب خانہ، 1373ش ھ)، ص:09
33. ہروی، نعمت اللہ، خواجہ، تاریخ خانجہانی و مخزن افغانی، ص:72
34. افغانی، جمال الدین، تتمۃ البیان فی تاریخ الافغان، ص:09
35. لفظ بطان لغت عربی ہے اور فارسی میں اس کے معنی زیرین کے ہیں۔ اردو میں اس کو پیندا کہتے ہیں۔ بطان عربی میں بطن، بیطن سے بنا ہوا ہے۔ اور اس کا اطلاق ان تمام چیزوں پر ہوتا ہے جو نیچے اور پوشیدہ ہوں، مثلاً: زیر جامہ یعنی جو لباس نیچے پہنا جاتا ہو اور کشتی کا وہ حصہ جو پانی کے نیچے ہوتا ہے اس کے بعد ہو سکتا ہے کہ جب لفظ بطان عجم میں اور خصوصاً ہند میں پہنچا تو ب، پ سے بدل گئی اور ط، ت ہو گیا اور بعد میں ٹ اور پھر بعد میں پٹھان ہو گیا۔ لغت کے لیے دیکھیئے:
(قاسمی کیرانوی، وحید الزماں، القاموس الوحید، (لاہور: ادارہ اسلامیات، 1422ھ)، مادہ بطن، ص:171)
36. Olaf ‹Caroe, The Pathans 550B.C. - A.D. 1957, P:08
37. Abdul Ghani, Dr, A Brief Political History of Afghanistan, (Lahore: Najaf Publishers,1979), P:09

38. ہروی، نعمت اللہ، خواجہ، تاریخ خانجھانی و مخزن افغانی، ص:110-82
39. احنف بن قیس بن معاویہ بن معین، ولادت ۳ قبل ہجری آپ ﷺ کا زمانہ پایا مگر ملاقات نہ کر سکے۔ سیدنا عمرؓ کے دور خلافت میں بصرہ وفد کے ساتھ مدینہ تشریف لائے۔ سیدنا عمرؓ نے انہیں ایک سال تک ٹھہرایا۔ 67ھ کو کوفہ میں وصال فرمایا۔
(ابن الاثیر، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، (الریاض: مکتبۃ المعارف، س ن)، 96/1)
40. ابن الاثیر، علی بن محمد، الشیبانی الجزری، الکامل فی التاریخ، (بیروت: دار المصادر، 1965ء)، 553-554/2
41. عبداللہ بن عامر بن کریز اموی جو کہ عبدالرحمن کے نام سے معروف ہوئے۔ آپ ایک عظیم سپہ سالار، متعدد شہروں کے فاتح اور افغانستان کے عظیم حکمران تھے۔ والی بصرہ اور خراسان کو تسخیر کرنے والے تھے۔ صحابہ کرام میں ایک مقبول شخصیت تھے۔ آپ کا وصال 59ھ میں ہوا اور عرفات کے مضافات میں سپرد خاک ہوئے۔ (ابن الاثیر، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، 55/1)
42. ابن الاثیر، علی بن محمد، الشیبانی الجزری، الکامل فی التاریخ، 86/3
43. ابن الاثیر، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، 55/1
44. ابن خلدون، عبدالرحمن، تاریخ ابن خلدون، (قاہرہ: مکتبۃ الرحمانیہ، 1355ھ)، 166/2
45. البلاذری، احمد بن یحیٰ، فتوح البلدان، (قاہرہ: دار الکتب العربیہ، 1319ھ)، ص:402
46. ذہبی، محمد بن احمد، سیر اعلام النبلاء، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1417ھ)، 494/3
47. بروکلمان، تاریخ الأدب العربی، (کابل: مکتبہ ندارد، س ن)، ص:155/2
48. ابن خلکان، احمد بن محمد، وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان، (بیروت: دار الصادر، 1398ھ)، 79/1
49. الزرکلی، خیر الدین، الاعلام، (بیروت: دار العلم للملایین، 1399ھ)، 292/1
50. ابن حجر، عسقلانی، تہذیب التہذیب، (دکن: دائرۃ المعارف النظامیۃ، 1325ھ)، 129/1
51. ایضا، 09/3
52. قرشی، عبدالقادر بن محمد، الجواھر المضیئۃ فی طبقات الحنفیۃ، (دکن: دائرۃ المعارف النظامیۃ، 1332ھ)، 266/2
53. عبدالحہ حبیبی، علامہ، تاریخ افغانستان بعد از اسلام، (کابل: نشر کردہ، انجمن تاریخ، 1345ش ھ)، 773/1
54. بروکلمان، تاریخ الأدب العربی، ص:314/1
55. عبدالحہ حبیبی، علامہ، تاریخ افغانستان بعد از اسلام، 799/1
56. بروکلمان، تاریخ الأدب العربی، ص:254/2
57. ایضا، 314/2
58. نعیم صدیق، خواجہ محمد، خدام الفرقان، (کابل: خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ قلعہ جواد، 1391 شمسی ہجری)، ص:210
59. نجیب اللہ، آریانا افغانستان، (پشاور: ڈھکی نعلبندی، قصہ خوانی، 1379ھ)، ص:95
60. رحمت خان، حافظ، خلاصۃ الانساب، (مترجم: محمد نواز طائر)، (پشاور: پشتو اکیڈمی، پشاور یونیورسٹی، 1973ء)، ص:87
61. غبار، غلام محمد میر، احمد شاہ بابائے افغان، (کابل: مکتبہ ندارد، 1944ء)، ص:25

62. Lockhart, Nadir Shah, A critical study based upon contemporary sources, (London: 1938, P: 254)
63. Ibid
64. ابن، محمد امین، مجمل التواریخ بعد نادریہ، (تہران: کتابخانہ ابن سیناء، 1940ء)، ص:74-75
65. ایضا، ص:123
66. سنگھ، گنڈا، احمد شاہ ابدالی، (لاہور: مکتبہ تخلیقات لاہور، 1997ء)، ص:52
67. Ferrier, History of Afghans, (London:1858), P:68
68. سنگھ، گنڈا، احمد شاہ ابدالی، ص:60-61
69. Olaf ‹Caroe, The Pathans 550B.C. - A.D. 1957, P:356
70. نظامی، خلیق احمد، شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، (علی گڑھ: مسلم یونی ورسٹی، 1950ء)، ص:142
71. غبار، غلام محمد میر، احمد شاہ بابائے افغان، ص:25
72. سنگھ، گنڈا، احمد شاہ ابدالی، ص:359
73. عبدالحٔ حبیبی، علامہ، لوئے احمد شاہ بابا، (کابل: انجمن تاریخ، 1319ش ھ)، ص:92
74. Olaf ‹Caroe, The Pathans 550B.C. - A.D. 1957, P:357
75. Mountstuart Elphinstone, An account of the Kingdom of Caubul,1/298-299
76. کامگار، جمیل الرحمان، دکتر، دافغانستان د معارف تاریخ، (مترجم: قاری عبدالسمیع شہزاد)، (کابل: میوند خپر ندوے ٹولنی، 2009ء)، ص:11
77. سنگھ، گنڈا، احمد شاہ ابدالی، ص:378
78. ایضا، ص:366
79. Percy, Sykes, A History of Afghanistan, (London: Macmillan,1940),1/351
80. عبدالحٔ حبیبی، علامہ، دافغانستان لنڈ تاریخ، (قندھار: علامہ رشاد خپر ندویہ ٹولنہ، 1391ش ھ)، 2/369-379
81. Khan, Sultan Mahomed, The Life of Abdur Rahman Amir of Afghanistan, (London: John Murray. Albemarle Street,1900), P:212
82. عبدالحٔ حبیبی، علامہ، پشتو ادبیات تاریخ، (کابل: مکتبہ ندارد، 1950ء)، ص:235
83. Nighat Mehroze Chishti, Constitutional Development in Afghanistan, (Karachi: Royal Book Company, 1998), P:22-23
84. Ibid.
85. Lovis Dupree, Afghanistan, P:444
86. ابراہیم عطائی، دافغانستان پر معاصر یوہ لنڈ کتنہ، (پشاور: سبا کتاب قصہ خوانی، 1380ش ھ)، ص:128
87. Raja, Md. Waseem, A Political Biography of King Amanullah Khan, (M.Phil Dissertation), (Aligarh: Muslim University Aligarh,1996),P:100
88. Lovis Dupree, Afghanistan, P:453
89. Poullada, B. Leon, Reform and Rebellion in Afghanistan, 1919–1929, (London: Cornell Unit Press,1973), P:67
90. Raja, Anwar: Tragedy of Afghanistan, (London: Verso Books, 1973), P:35
91. عبدالحٔ حبیبی، علامہ، دافغانستان تاریخ پیھلک، (کابل: مکتبہ ندارد، س ن)، ص:258

92. ملک عبداللہ، افغانستان قدیم وجدید، (لاہور: الفیصل ناشران کتب، 2007ء)، ص: 102-103
93. Lovis Dupree, Afghanistan, P:444
94. بورگی، ڈاکٹر، دافغانستان دوم اساسی قانون تہ یوہ کتنہ، (کابل: مکتبہ ندارد، س ن)، ص: 36
95. Yunas, S. Fida, Afghanistan: A Political History,(Peshawar: Publisher not identified ,2002),2/77
96. داد باش، خلیل ڈاکٹر، امیر حبیب اللہ کلکانی مردی در حریق تاریخ، (پشاور: م ن، س ن)، ص: 110
97. ابراہیم عطائی، دافغانستان پر معاصر یوہ لنڈ کتنہ، ص: 226
98. Lovis Dupree, Afghanistan, P:444
99. ابراہیم عطائی، دافغانستان پر معاصر یوہ لنڈ کتنہ، ص: 223
100. پائندہ، محمد ظہیر، یوسف علمی، دافغانستان د معارف تاریخ، (کابل: مطبوعہ معارف، 1960ء)، ص: 37-41
101. ایضا، ص: 38
102. ایضا، ص: 39-41
103. دولت آبادی، بصیر احمد، شناسنامہ احزاب و جرہانات سیاسی افغانستان، (ایران: فردردین، 1381ش ھ)، ص: 64
104. جلالزی، موسی خان، افغانستان ماضی اور مستقبل، (لاہور: افغانستان جہاد پرنٹرز، 1989ء)، ص: 74-75
105. Kakar, M. Hassan, Afghanistan The Soviet Invasion and the Afghan Response,1979-1982, (Los Angeles: University of California Press,1997), P:280
106. Hartley-Blecic, Meri Melissi , The Invisible Women: The Taliban's Oppression of Women in Afghanistan, (Washington: ILSA Journal of International & ComparativeLaw,2001),7/553

(https://core.ac.uk/download/pdf/51092248.pdf)

References

1. G.J,Arez, Geography of Afghanistan, (Kabul: Times Annual,1970),P:19
2. Tahir Amin, Afghanistan, Crisis, Implications and options for Muslim world, Iran and Pakistan, (Islamabad: Instituteof policy studies,1987), P:40
3. Kamal Matinuddin, Power struggle in Hindukush Afghanistan (1978:1991), (Lahore: WajidAlis, 1991), P:2-3
4. Imperial Gazetteer of India, Afghanistan and Nepal, (Calcutta: Superintendent of Government Printing press, 1908), P:02
5. Lovis Dupree, Afghanistan, (Karachi, Oxford University Press,1997), P:33
6. Ibid, P:03
7. Lashkaripour, Gholam Reza, Hussaini, S.A, Water resource Management in Kabul river basin, eastern Afghanistan, (The environmentalist 28, 2008), P:01 (DOI : 10.1007/S10669-007-9136-2)
8. Rishtya, S.Q, The Rivers of Afghanistan, (Kabul: Shah M Book Co, 1947), P:10
9. Lovis Dupree, Afghanistan, P:03
10. Imperial Gazetteer of India, Afghanistan and Nepal, P:07
11. Babur,Zaheer ud Din,Tuzk Babri, (Kabul:Anjuman Tareekh,S N),P:42
12. Lovis Dupree, Afghanistan, P:17
13. Ibid
14. Fairservis, Walter, Future Archeological Research in Afghanistan, (South Western Journal of

Anthropology, the University of Chicago, 1953), 9/139-136
(www.jstor.org/stable/3628572)
15. Ludwig W. Adamec, Hostorical Dictionary of Afghanistan, (New Jersey: Scarecarow Press 2012), P:36
16. Ibid, P:37
17. Ghubar, Ghulam Muhammad, Meer Afghanistan Bayyak Nazzar, (Kabul: Pashtoo Tolna,1326 Shimsi Hihjri), P:21
18. Mountstuart Elphinstone, An account of the Kingdom of Caubul, (Karachi: Oxford University Press,1972),1/200
19. Al-Quran,2/247
20. Harwi ,Naimat ullah Khwaja Tareekh Khanjhani-o-Makhzan Afghani,(Lucknow: Publisher not identified, 1876), P: 37
21. Farishta, Muhammad Kasim, Tareekh Farishta, (Lucknow: Publisher not identified, 1321 Hihjri), P: 57
22. Olaf ،Caroe, The Pathans 550B.C. - A.D. 1957, (New York: Macmillan & Co LTD St Martin's press,1958), P:80
23. Ibid.
24. Ibid, P:81
25. Ibid, P:81-82
26. Al-Quran,2/247
27. Harwi ,Naimat ullah Khwaja, Tareekh Khanjhani-o-Makhzan Afghani, P: 72
28. Gandapur, Sher Muhammad Khan, Tareek Pashtoon, Translated: Siraj Ahmad Alwi, (Karachi: Sheikh Ali & Soons, 1979), P: 166-170
29. Bellew, H.W,Races of Afghanistan, (Calcutta: Thacker Spink and Co,1880), P:15
30. Spain, W.James, The Way of the Pathans, (London: Robert Hale Limited,1962),P:27-28
31. Mountstuart Elphinstone, An account of the Kingdom of Caubul,1/218
32. Afghani, Jamal al-din , Tata Tamatul Al Bayan Fi Tareekh-al-Afghan, Translated: Muhammad Ameen Khu Ghilani, (Peshawar: Saba Kutab Khana, 1373 Shimsi Hihjri), P: 09
33. Harwi ,Naimat ullah Khwaja, Tareekh Khanjhani-o-Makhzan Afghani, P:72
34. Afghani, Jamal al-din , Tata Tamatul Al Bayan Fi Tareekh-al-Afghan,P:09
35. The word battan is an originated in Arabic dictionary and in Persian it means lower Pot. In Urdu it is called Penda(Pot). In Arabic, Battan is made of Batin Yabtan. And it applies to all things that are hidden and hidden, such as: underwear, that is, the garment that is worn underneath, and the part of the ark that is underwater, after that, when the word batan is in Ajam (Persia) and especially When it reached India, it changed from P to T, Ta to Te and then to Te and then to Pathan. For the dictionary, See:(Qasmi Kiranwi, Waheed-ul-zamaa, Alqamoos-ul-wahid, (Lahore: Publishers Islamiyat, 1422 Hihjri) Primary Word: Baton, P: 171.
36. Olaf ،Caroe, The Pathans 550B.C. - A.D. 1957, P:08
37. Abdul Ghani, Dr, A Brief Political History of Afghanistan, (Lahore: Najaf Publishers,1979), P:09
38. Harwi ,Naimat ullah Khwaja, Tareekh Khanjhani-o-Makhzan Afghani, P:82-110
39. Ahnaf ibn Qais ibn Mu'awiyah ibn Mu'in found his time before his birth in 4 A.H, but could not meet witg Holy Prophet (P.B.U.H) . During the caliphate of Umar, he visited Madinah with a delegation from Basra. Syedina Umer kept him for a year. He died in Kufa in 67 AH. See : (Ibn al Aseer, Asad Algabat Fee Merfaat Alsahabat, (Al-riyaz: Publishers Al-Maarif, SN), 96/1)
40. Ibn al Aseer, Ali Bin Muhammad, Alshebani Aljazri, Alkamil Fee Al-tareekh, (Berut: Publishers Daar Almasadur, 1965), 553-554/2
41. Abdullah bin Amir bin Kariz Umayyad who became known as Abdul Rahman. He was a great

general, conqueror of many cities and great ruler of Afghanistan. He was about to conquer Basra and Khorasan. He was a popular figure among the Companions (Sahaba). He died in 59 A.H and was buried on the outskirts of Arafat. See: (Ibn al Aseer, Asad Algabat Fee Merfaat Alsahabat, 55/1)

42. Ibn al Aseer, Ali Bin Muhammad, Alshebani Aljazri, Alkamil Fee Altareekh, 86/3
43. Ibn al Aseer, Asad Algabat Fee Merfaat Alsahabat, 55/1
44. Ibn Khaldun, Abdulrehman, Tareekh Ibne KhaldoonTareekh Ibny Khaldoon(Kahira: Publishers Al Rehmaniya, 1355 Hihjri), 166/2
45. Al-Baladhuri,Ahmad Ibn Yahya , Futuh al- Buldan, (Kahira: Publishers Daarulkitaab Alarbiyah, 1319 Hihjri) P: 402
46. Adh-Dhahabi, Shams ad-Din,Muḥammad ibn Aḥmad, Siyar a'lam al-Nubala, (Beroot: Publishers Mossasta Alrsalaat, 1417 A.H), 494/3
47. Brokalman, Tareekh -ul-adab Alarbi,(Kabul: Publisher not identified, S N), P: 155/2
48. Ibn Khlakan,Ahmad Bin Muhammad, Wafiyat ul Ayyan wa Amba Abna Alzaman,(Berut:Dar-ul-Saddar,1398 A.H),1/79
49. Al Zarkli,Khair ud Deen,Al-Alaam,(Berut:Dar ul ilm lilmalien,1399 A.H),292/1
50. Ibn Hajar, Al-Asqalani,Tehzeeb ul Tehzeeb,(Dakun:Dar ul Maarif Al-Nizamiyah,1325 A.H),129/1
51. Ibid,09/3
52. Qarshi,Abdul Qadir bin Muhammad, The Glowing Gems in Layqat Al-Hanafiyyah, (Dakun:Dar ul Maarif Al-Nizamiyah,1332 A.H),266/2
53. Abdul Hai Habibi, Allama, Tareekh Afghanistan Bad Az Islam, (Kabul: Publishers: Anjuman Tareekh, 1345 Shimsi Hihjri), 773/1
54. Brokalman, Tareekh -ul-adab Alarbi,314/1
55. Abdul Hai Habibi, Allama, Tareekh Afghanistan Bad Az Islam,799/1
56. Brokalman, Tareekh -ul-adab Alarbi,254/2
57. Ibid,314/2
58. Naeem Siddique, Khawaja Muhammad, Khudam-ul Furqan, (Kabul: Khankah Naqshbandiya Mujadadiya Qilah Jawad, 1391 Shimsi Hihjri) P: 210
59. Najeebullah, Aaryana Afghanistan, (Peshawar: Dhaki Nalband, Qisa Khwani, 1379 Shimsi Hihjri) P: 95
60. Rehmat Khan, Hafiz, Khlasta Alnisaab, (Translated: Muhammad Nawaz Tahir), (Peshawar: Pashtoo Academy, Peshawar University, 1973) P: 87
61. Ghabbar, Ghulam Muhammad Meer, Ahmad Shah Babaye Afghan, (Kabul: Publisher not identified, 1944), P: 25
62. Lockhart, Nadir Shah, A Critical Study based upon Contemporary Sources, (London: 1938, P: 254)
63. Ibid
64. Iban, Muhammad Ameen, Majmal Altawarekh Bad Nadariya, (Tehran:Ibn e Sina 1940) P: 74-75
65. Ibid, P: 123
66. Singh, Gandah, Ahmad Shah Abdali, (Lahore: Publishers Takhlekaat Lahore, 1997) P: 52
67. Ferrier, History of Afghans, (London:1858), P:68
68. Singh, Gandah, Ahmad Shah Abdali, P: 60-61
69. Olaf ،Caroe, The Pathans 550B.C. - A.D. 1957, P:356
70. Nazami, Khaleek Ahmad, Political Letters of Shah WaliUllah, (Ali Garh:Muslim University,1950) P: 142
71. Ghabar, Ghulam Muhammad Meer, Ahmad Shah Babaye Afghan, P: 25
72. Singh, Gandah, Ahmad Shah Abdali, P: 359
73. Abdul Hai Habibi, Allama, Lowaye Ahmad Shah Baba, (Kabal: Anjman Tareekh, 1319 Shimsi

Hihjri) P: 92
74. Olaf ،Caroe, The Pathans 550B.C. - A.D. 1957, P:357
75. Mountstuart Elphinstone, An account of the Kingdom of Caubul,1/298-299
76. Kamgar, Jameel-ur-Rehman, Dr. Da-Afghanistan da Muarif Tareek, (Translated: Kari Abdulsami Shahzad), (Kabul: Meyound Khapir Nadwy Tolni, 2009) P: 11
77. Singh, Gandah, Ahmad Shah Abdali, P: 378
78. Ibid, P: 366
79. Percy,Sykes,A History of Afghanistan, London : Macmillan,1940,1/351
80. Abdul Hai Habibi, Allama, Dafghanistan Landtareekh, (Qandhar: Alama Rshadkhpar Nadwiya Tolna, 1391 Shimsi Hihjri) P: 379-369/2
81. Khan, Sultan Mahomed, The Life of Abdur Rahman Amir of Afghanistan, (London: John Murray. Albemarle Street,1900), P:212
82. Abdul Hai Habibi, Allama, History of Pashtoo Literature,(Kabul: Publisher not identified,1950),P:235
83. Nighat Mehroze Chishti, Constitutional Development in Afghanistan, (Karachi: Royal Book Company, 1998), P:22-23
84. Ibid.
85. Lovis Dupree, Afghanistan, P:444
86. Ibraheem Attaie, Da Afghanistan Pur Muaasir Yoie Landa Kattana,(Peshawar: Publisher Sabba Qissa Khawani,1380 S .H),P:128
87. Raja, Md. Waseem, A Political Biography of King Amanullah Khan, (M.Phil Dissertation), (Aligarh: Muslim University Aligarh,1996),P:100
88. Lovis Dupree, Afghanistan, P:453
89. Poullada, B. Leon, Reform and Rebellion in Afghanistan, 1919–1929, (London: Cornell Unit Press,1973), P:67
90. Raja, Anwar: Tragedy of Afghanistan, (London: Verso Books, 1973), P:35
91. Abdul Hai Habibi, Allama, Daa Afghanistan Tareekh Pehlukh,(Kabul: Publisher not identified, S.N),P:258
92. Malik, Abdullah, Afghansitan (Old & New),(Lahore:Al-Faisalal Publishers,2007),P:102-103
93. Lovis Dupree, Afghanistan, P:444
94. Borgi,Dr. Da Afghanistan Doiem Assasi Qanon ta Yoie Kattana,(Kabul: Publisher not identified, S.N),P:36
95. Yunas, S. Fida, Afghanistan: A Political History,(Peshawar: Publisher not identified ,2002),2/77
96. Dadd Dabash, Khalil,Dr, Amir Habib ullah Kalkani Mardi Dur Hareeq Tareekh,(Peshawar, Publisher not identified,S.N),P:110
97. Ibraheem Attaie, Da Afghanistan Pur Muaasir Yoie Landa Kattana ,P:226
98. Lovis Dupree, Afghanistan, P:444
99. Ibraheem Attaie, Da Afghanistan Pur Muaasir Yoie Landa Kattana ,P:223
100. Painda,M.Zaheer,Yousaf Ilmi,Da Afghanistan Da Maarif Tareekh,(Kabul:Marrif Publishers,1960),P:37-41
101. Ibid, P:38
102. Ibid, P:39-41
103. Dolat Abadi,Baseer Ahmad,ShanasNama Ahzab wa Jurhanat Syasi Afghanistan, (Iran:Fardeen,1381 S.H),P:64
104. Jalalzi,Mossa Khan,Past & Future of Afghanistan,(Lahore: Afghanistan Jihad Printers,1989),P:74-75
105. Kakar, M. Hassan, Afghanistan The Soviet Invasion and the Afghan Response,1979-1982, (Los Angeles: University of California Press,1997), P:280

106. Hartley-Blecic, Meri Melissi , The Invisible Women: The Taliban's Oppression of Women in Afghanistan, (Washington: ILSA Journal of International & ComparativeLaw,2001), (https://core.ac.uk/download/pdf/51092248.pdf)